

حالم

ساکورا ہانامی

The Viewing Of Cherry Blossom Season

www.facebook.com/namurahmedofficial

حالم: نمرہ احمد
19 جولائی

قسط 19

نمرہ احمد

یا کسوسا کسوسی ڈاک کام

حالم (نمرہ احمد)

انیسواں باب:

”سا کوراہانا می“

"The Viewing of Cherry Blossom Season"

اس نے دیکھا۔۔

وہ گھاس پہ نصب پنچ پہ بیٹھا ہے۔۔۔

سڑک کنارے دور تک چیری بلاسم کے درختوں کی قطار ہے۔۔۔

اور وہ گلابی نرم پھولوں سے لدے ہیں۔۔۔

نیچے گھاس پہ بھی گلابی پنکھڑیوں کی تہہ چھٹی ہے۔۔۔

سامنے ایک جاپانی بچہ باپ کی انگلی پکڑے چل رہا ہے۔۔۔ اس کے ہاتھ میں کاشن کینڈی ہے جس کی

اسٹیک کو وہ گھما رہا ہے۔۔۔ اس کے جو گرز سے چلتے وقت گھنگرو سے چھٹکنے کی آواز آتی ہے۔۔۔

وہ اس کے ساتھ پنچ پہ آ کے بیٹھتی ہے تو وہ چونکتا ہے۔

پنچ پہ رکھی کافی اٹھانے لگتا ہے جو چٹک جاتی ہے۔۔۔ گرم مائع گھاس پہ گرے ایک پھول کو داغدار کر دیتا

ہے۔۔۔

اسی پل پنچ کے پیچھے کھڑا چیری بلاسم کا درخت ہوا کے جھونکے کے ساتھ ڈھیروں پھول ان دونوں پہ

گرادیتا ہے۔۔۔

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

کچھ بھول اس کے کوٹ پہ گرتے ہیں اور کچھ عصرہ کے بالوں پہ.....

☆☆=====☆☆

عصرہ صحت محمود کی موت سے دو روز قبل۔

بی این کے چیئر مین آفس کی کمڑکیوں کے بلاسٹڈ سٹے تھے اور اندر سرما کی دھوپ پھیلی تھی۔ کنٹرول چیئر پہ وان فاتح آگے کو ہوئے بیٹھا ایک فائل کے صفحے پلٹ رہا تھا۔ آنکھوں پہ چشمہ لگائے وہ جیل سے ہال دائیں طرف جمائے سر مٹی سوٹ میں ملبوس کام میں مصروف نظر آتا تھا جب دروازہ دستک کے بعد کھلا۔ فاتح نے عینک کے اوپر سے صرف نگاہ اٹھا کے دیکھا۔

اس کی سیکرٹری ایک فولڈر اٹھائے اندر آئی تھی۔

”سر..... میں آپ کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی تھی مگر آپ نے نمبر بدل لیا ہے تو آپ کے دوست ڈاکٹر..... (فولڈر سے نام پڑھا) ڈاکٹر دین جمال کی مجھے کئی دفعہ کال آئی ہے۔ ان کو آپ کا نیا نمبر دے دوں؟“

”ہاں دے دو۔ بلکہ اسے کال بیک کر کے مجھے ملا دو۔“ میز پہ رکھے فون کی طرف اشارہ کیا۔ وہ سر ہلا کے مڑی تو فاتح

بولا۔

”تالیہ کی کال تو نہیں آئی؟“

”تالیہ مراد؟ نہیں سر۔“

”اگر آئے تو اس کو میرا نیا نمبر دے دینا۔“ تاکید کی تو وہ سر کو اثبات میں خم دے کر مڑ گئی۔

فون کی گھنٹی بجی تو فاتح نے عینک اتاری اور ریسیور کان سے لگایا۔

”میں تمہیں کال کرنے کا سوچ ہی رہا تھا۔ تم نے مجھ سے میڈیکل سائینس کے مہجرے کا وعدہ کیا تھا۔“ وہ اب کرسی پہ

پچھے کو ہو بیٹھا مسکرا کے کہہ رہا تھا۔

”اور میں اپنے وعدے اور دعوے پہ قائم ہوں۔ میں نے تمام پروسیجر کی تیاری کر لی ہے۔ تمہارے ہرے سگنل کا انتظار

ہے۔“

”تم کہہ رہے ہو کہ میری اس ایک رات کی یادداشت واپس آسکتی ہے؟“ وہ گہری سانس خارج کر کے مسکرایا۔

”ہاں البتہ.....“ وہ ہنسی لگایا۔ ”یہ عمل خطرناک بھی ہو سکتا ہے اور.....“

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

WWW.PAKSOCIETY.COM

ONLINE LIBRARY

RSPK.PAKSOCIETY.COM

FOR PAKISTAN



PAKSOCIETY1



PAKSOCIETY

”بے فکر ہو۔ میں ہر طرح کا consent فارم سائن کر دوں گا۔“

وہ جانتا تھا کہ ہر ڈاکٹر کی طرح اس کا سب سے بڑا خدشہ یہی ہو سکتا تھا۔

”میرے لئے وہ رات بہت اہم ہے اور اس کو واپس لانے کے لئے میں کچھ بھی کرنے کو تیار ہوں۔“

”فاتح!“ ڈاکٹر دین نے گہری سانس لی۔ ”اس عمل کو صرف اپنے سکون اور ذہنی تسفی کے لیے کرو۔ اس کو ایک محبت کے

شکار مرد کی طرح نہ کرو۔ اگر وہ لڑکی تمہاری زندگی سے چلی گئی ہے اور تمہیں کال تک نہیں کر رہی تو وہ اس رات کو یاد کرنے سے تمہیں واپس نہیں بل جائے گی۔“

فاتح کو اس کی بات اچھی نہیں لگی تھی۔ اس نے کچھ کہے بغیر فون رکھ دیا۔ پھر وہ دوبارہ فائل نہ اٹھا سکا۔ بلکہ کافی منگوائی اور کرسی کا رخ کھڑکی کی طرف موڑ لیا اور باہر پھیلی سرما کی دھوپ دیکھنے لگا۔

”سر... ڈاکٹر دین نے آج سہ پہر کا وقت فائل کیا ہے۔ ٹھیک ہے؟“ سیکرٹری کارمن کی آواز عقب میں سنائی دی۔ اور کالج کی پریچ پیالی کے میز کی سطح پر رکھے جانے کی۔

”ہاں دے دو۔“ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھے جمیر مین نے باہر جھانکتے ہوئے ٹانگ سے مکھی اڑائی۔ اس کے ماتھے پہ بل سے پڑ گئے تھے۔

”کچھ اور جو میں کرسکوں‘ سر؟“ اس کو الجھن میں دیکھ کے کارمن نے پوچھا۔ وہ گول چہرے اور سفید رنگت والی چینی لڑکی تھی جو گلابی لپ اسٹک کے ساتھ گلابی اور سفید رنگ کا اسکرٹ بلاؤز پہنے ہوئے تھی۔

”محبت کا شکار آدمی کیسا ہوتا ہے؟“ رک کے اضافہ کیا۔ ”تمہارے نزدیک۔“

”محبت‘ محبت میں فرق ہوتا ہے‘ سر۔ اس کو اکثر لوگ سمجھ ہی نہیں پاتے۔“

اس کی بات پہ وہ ہلکا سا مسکرایا اور کرسی کا رخ اس کی طرف موڑا۔ جیسے استاد کو کسی نئے شاگرد کی اپنے قد سے اونچی بات نے محظوظ کیا ہے۔ ”مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اتنی آرٹسٹک ہو۔ تم بی این میں کیا کر رہی ہو؟“

کارمن نے افسوس سے گہری سانس خارج کی۔ ”بچی تو مسئلہ ہے‘ سر۔ آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ سیاسی عہدوں پہ پہنچنے والے محبت کا شکار نہیں ہو سکتے کیونکہ آپ کی نظر میں یہ جذ بہ انسان کو کمزور بناتا ہے۔“

”کیا یہ درست نہیں ہے؟“ اس نے شانے اچکائے۔ ”جب تم میری عمر اور میرے تجربے کو پہنچو گی تو جانو گی کہ اس مقام پہ انسان کو کسی سے محبت نہیں ہو سکتی۔“ وہ سادگی سے کارمن کی آنکھوں کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔

”اس مقام پہ کیا ہو سکتا ہے پھر؟“

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

فاتح نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ ”کوئی آپ کے لیے اہم بن سکتا ہے۔ اس کی حفاظت اور خوشی اہم بن سکتی ہے۔ اس کی فکر کرنا ترجیح ہوتا ہے۔ ایک اچھی دوستی۔ بس۔ اس سے زیادہ نہیں۔“

”سر! وہ کھلے دل سے مسکرائی۔ ”تو محبت اس کے علاوہ ہوتی ہی کیا ہے؟“

وہ چند لمحے کچھ بول نہ سکا۔ اسے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔

”میرے نزدیک محبت کا شکار آدمی وہ ہوتا ہے کارمن جو امداد دینا کسی کے پیچھے بھاگ رہا ہو۔ بے چین ہو۔ باقی ساری دنیا سے غافل۔ صرف ایک انسان کا حصول اس کا مقصد ہو۔“

”وہ جنون ہوتا ہے سر۔ اور جنون کا شکار لوگ محبوب کے حصول کے لیے ہر حد پار کر لینے کو محبت سمجھتے ہیں۔“

”اور محبت کیا ہی نہیں ہوتی؟“

”نہیں سر۔ محبت ایسی نہیں ہوتی۔ وہ تو انسان کو بدل دیتی ہے۔ اسے نرم بناتی ہے۔ اسے دوسرے انسانوں کی قدر کرنا سکھاتی ہے۔ انسان کو اچانک سے دنیا کی ہر شے میں خوبصورتی دکھائی دینے لگتی ہے۔ پھولوں کے رنگوں میں۔ بادلوں کی نرمی میں۔ تب احساس ہوتا ہے کہ خدا نے سب کچھ کتنی محبت سے بنایا ہے۔“

”اور؟“ وہ دلچسپی سے چینی لڑکی کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ وہ سامنے کھڑی مسکرا کے بتا رہی تھی۔

”اور وہ محبت میں گرفتار دوسرے انسانوں کو پہچاننے لگتا ہے اور ان کے لیے خوش ہوتا ہے۔ اور وہ ہر حد پار کرنا سیکھ جاتا ہے لیکن کسی کو پانے کے لیے نہیں..... بلکہ دوسرے کو آرام دینے کے لیے اس کو خوش اور محفوظ رکھنے کے لیے۔ محبت خود غرض نہیں ہوتی۔ obsession خود غرض ہوتا ہے۔ جنونی کو اپنے محبوب کی توجہ چاہیے ہوتی ہے۔ ہر وقت۔ محبت تو کثیر رنگ ہوتی ہے۔ صرف دوسرے کی فکر کرنے والی..... دوسرے کے لیے زندگی کو آسان بنانے والی.....“

وان فاتح نے مسکرا کے اسے دیکھتے ہوئے کافی کا کپ اٹھایا۔ ”Girl....you are in love!“

اس نے جیسے فیصلہ سنایا تھا کارمن نے مسکرا کے ٹرے اٹھائی۔ ”میں نے کہا تھا صرف محبت میں گرفتار شخص ہی کسی دوسرے محبت کرنے والے کو پہچان سکتا ہے۔“ اور واپس مڑ گئی۔ فاتح کی مسکراہٹ مدھم پڑی۔ ایک دم ساری فضا اس ہو گئی تھی۔

اس نے فون اٹھایا اور کارمن سے کہا کہ وہ ڈاکٹر دین کا نمبر ملائے۔

”دین۔“ رابطہ ملنے پہ وہ قدرے سپاٹ انداز میں کہنے لگا۔ ”آئی ایم سوری مگر میں کسی سائیکسے تجربے کا شکار نہیں ہونا چاہتا۔“

”مگر.... تم نے کہا تھا کہ تم اس رات کو یاد کرنا چاہتے ہو۔“

Downloaded from Pakvociety.com

”اس سے کچھ نہیں بدلے گا۔ شاید چیزیں مزید خراب ہو جائیں۔ اس رات کو بھول جانے میں ہی عاقبت ہے۔“

اس رات عرصے بعد اس نے عجیب سا خواب دیکھا۔

وہ پولیس اسٹیشن سے نکلتا ہے۔۔۔۔۔ اس نے گردن میں کوئی بھاری لاکٹ پہن رکھا ہے۔ اس سے ایک سنہری پنکھ نکل کے اس کو راستہ دکھاتا اڑتا جا رہا ہے۔ وہ اس کے تعاقب میں قدم اٹھا رہا ہے۔ منظر دھندلا ہے مگر ایک چیز واضح ہے۔۔۔۔۔ اس نے ایک سنا سنا گلی کا موڑ مڑا ہے۔ یہ گلی جلال مسجد کے دائیں جانب ہے۔۔۔۔۔ نیلی اینٹوں کی دیواریں۔۔۔۔۔ باہر ایک ٹوٹا ہوا گلا۔۔۔۔۔ وہ ایک گھر کے دروازے تک جاتا ہے۔۔۔۔۔ وہاں سنہری پنکھ ڈور میٹ پہ گر جاتا ہے۔۔۔۔۔ وہ نظریں اٹھا کے گھر کا نمبر دیکھتا ہے۔۔۔۔۔ دھندلی بصارت کے باوجود اسے آدھا نمبر نظر آ جاتا ہے۔۔۔۔۔

وہ چونک کے اٹھا تھا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس نے ہاتھ مار کے سائیڈ لیپ جلا یا تو دم سم سی روشنی پھیل گئی۔ عصرہ کروٹ لیے سو رہی تھی۔ فاتح اٹھ کے بیٹھا اور اپنی پیشانی چھوئی۔ اسے پسینہ آ رہا تھا۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ یہ پہلی دفعہ تھا کہ اس رات کی کوئی ایسی یادداشت اس کے ذہن سے نکلرائی تھی جس کا حقیقت سے تعلق لگتا تھا۔ باقی سب تو عجیب سے خواب تھے۔ جنگل میں تالیہ کے ساتھ۔۔۔۔۔ کبھی قید خانے میں زخمی حالت میں موجود ہونا۔۔۔۔۔ مگر یہ۔۔۔۔۔ یہ جگہ یہ گلی وہ پہچانتا تھا۔ اگر وہان فاتح اس رات کہیں گیا تھا تو وہ یہ گھر تھا۔

کسی معمول کی طرح وہ اٹھا اور بتی جلائی۔ جب تک عصرہ کی آنکھ کھلی وہ تیار کھڑا بیگ میں کپڑے ڈال رہا تھا۔ وہ ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی۔

”تم اس وقت کہاں جا رہے ہو؟“

”ملا کہ۔“ وہ سر جھکائے اب والٹ میں اپنے کریڈٹ کارڈز جوڑ رہا تھا۔ عصرہ نے تعجب سے اسے دیکھا۔

”ایک دم وہاں جانے کی کیا ضرورت پڑ گئی؟“

”ضروری کام ہے۔“

وہ تھکا ہوا بھی لگتا تھا جیسے کچی نیند سے جاگا ہو۔ بار بار گردن کو دائیں بائیں اسٹریچ کرتا تھا۔ عصرہ اٹھ بیٹھی اور چہیتی نظروں سے اسے دیکھا۔

”وہاں تالیہ ہے کیا؟“

فاتح کے بیگ کی زپ چڑھاتے ہاتھ کے۔ چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

”اگر ہے بھی تو؟“ اسے جیسے یہ بات ناگوار گزری تھی۔

Downloaded from Paksociety.com

”تم کب تک اس کے پیچھے بھاگتے رہو گے؟“

فاتح سیدھا کھڑا ہوا اور گہری سانس لی۔ جیسے غصہ آیا ہو مگر ضبط کر گیا ہو۔

”عصرہ.... میری زندگی تالیہ کے گرد نہیں کھومتی۔ میں اس سے ہٹ کے اپنے کام کے لئے بھی کہیں جاسکتا ہوں۔“

”اپنے دل سے پوچھو۔ اس کام کا تعلق بھی کہیں نہ کہیں تالیہ سے جڑا ہوگا۔“ اس کی فاتح پہ جی آنکھوں میں گلابی نمی تیرنے

لگی۔ ”ہمیں کیا ہو گیا ہے فاتح؟ ہمارے گھر کو کس کی نظر لگ گئی ہے؟“

وہ چند لمحوں میں کھڑا سے دیکھتا رہا، پھر کندھے ذرا سے اچکائے۔

”ہم ویسے ہی ہیں جیسے اتنے سالوں سے تھے۔ کیا بدلا ہے؟“

”ہاں اور اتنے سالوں سے ہم ایک مردہ زندگی ہی گزار رہے ہیں۔“

”میں جاؤں؟“ وہ ڈنٹی طور پہ کہیں اور الجھتا تھا۔ بیگ اٹھائے بولا تو وہ بستر سے اتری اور ایک دم اس کے سامنے آکھڑی

ہوئی۔

”مجھے معلوم ہے تم اسے ڈھونڈنے جا رہے ہو۔ تم کب تک اس کے پیچھے جاتے رہو گے؟“ فاتح۔

”میں اپنے کام سے جا رہا ہوں، عصرہ۔“ اب کے اس نے تھل سے کہا تھا۔ مگر عصرہ کی اس پہ جی آنکھیں گیلی ہو رہی تھیں۔

”کیا نہیں ہے تمہارے پاس؟ بیوی؟ بچے.... اور بہت جلد حکومت بھی.... تم اس سب کو اس عورت کے لئے داؤ پہ لگا سکتے

ہو؟“

”میں نے ایسا کیا کیا ہے جو مجھے یہ سب کھونا پڑے گا؟“ اس نے ماتھے کو چھوا۔

”تم آدھی رات کو اس کے پیچھا چانک سے سب چھوڑ کے جانے لگو گے تو میں خوفزدہ ہوں گی“ فاتح۔

وان فاتح نے گہری سانس بھری اور افسوس سے اسے دیکھا۔ ”میں نے اپنی یہ زندگی (اطراف میں نگاہ دوڑائی) برسوں کی

محنت سے بنائی ہے۔ میں اس زندگی کو نہ تالیہ کے لئے چھوڑوں گا اور نہ ہی تمہارے لئے۔“ سختی سے کہا اور ابرو سے اسے

بٹنے کا اشارہ کیا۔ مگر وہ نہیں ہٹی۔ ضدی، گیلی آنکھوں سے اسے دیکھ گئی۔

”مت جاؤ۔ آج مت جاؤ۔ پلیز۔“ آنسو ٹوٹ ٹوٹ کے گرنے لگے۔ ”میرے لئے آج یہ سارے کام ترک کر دو!“

”ہم ایک دوسرے کے لئے ایسی قربانیاں کب سے دینے لگے ہیں عصرہ؟“ وہ زخمی انداز میں بولا تو عصرہ کے ماتھے پہ

ہل پڑے۔ گال سرخ دہکنے لگے۔

”میں نے تمہارے لئے قربانیاں دی ہیں۔ اپنا کیریئر چھوڑا ہے۔ تمہارے بچوں کو پالا ہے۔ تمہاری بہن کو پالا ہے۔ میں

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

نے تمہارے لئے کیا نہیں کیا؟“

”اور کیا میں نے تمہیں پارٹی کی مائیں جیسے رٹن کا عہدہ نہیں دیا؟ گھر نہیں دیا۔ عزت نہیں دی؟“

”تم نے مجھے محبت نہیں دی۔“ وہ لٹی میں سر ہلاتے ہوئے بولی تو قاتح نے گہری سانس لی۔

”وہ تو میں نے خود کو بھی عرصہ ہوا نہیں دی۔“ وہ ایک طرف سے لٹکا اور آگے بڑھ گیا۔ عصرہ نے بھیگی آنکھوں سے پلٹ

کے اسے دیکھا۔

”اسے تو دی ہے۔ ندی ہوتی تو روز تمہارے لئے وہ تھنے نہ بھیجتی۔“

”وہ ایک تالیہ نہیں بھیجتی۔“ وہ عام سے لہجے میں کہتا لاؤنچ کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ عصرہ محمود کا سانس اور آنسو

ایک ساتھ رکے۔ وہ چونک کے پلٹی۔

”تمہیں کیسے معلوم؟“

وہ دروازے تک پہنچ کے رکا اور مڑ کے زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔ ”وہ مجھ سے بات نہیں کر رہی.... میری میلو کا جواب

نہیں دے رہی.... تو وہ مجھے ایسے لکس کیوں بھیجے گی جبکہ اسے معلوم ہے کہ مجھے اتنا بیٹھا نہیں پسند؟“

سادگی سے ہٹا کے وہ مڑ گیا۔ اس کے گھر روز فیروز اور دوستوں کی طرف سے تحائف آتے تھے۔ زیادہ تر مفاد پرست

عزیز واقارب کی طرف سے ہوتے تھے۔ اس کو پرواہ نہیں تھی کہ کوئی تالیہ کے نام سے ایک کیوں بھیجتا ہے۔ اسے صرف ایک

پہیلی کو حل کرنا تھا۔

اس رات وہ کس کے گھر گیا تھا؟

دروازہ بند ہونے کی آواز پہ عصرہ نے آنسو تھیلی کی پشت سے رگڑے۔ اس کی رنگت سفید پڑنے لگی تھی۔

وہ چند دن قبل تالیہ کے منہ سے یہ اعتراف سن کے کہ وہ قاتح کی پہلی بیوی ہے اپنا سب کچھ کھو چکی تھی۔ اور اسے لگا تھا کہ یہ

سب آسان ہوگا جو وہ کرنے جا رہی ہے۔ اور ایسا کرتے ہوئے اسے دکھ نہیں ہوگا۔

مگر وہ ہر روز قاتح کو بے سرے سے کھوتی تھی۔

وہ جو بھی کر لے وہ اس کے ہاتھ سے پھسل جاتا تھا۔ بلکہ اب تو سارا کھیل اس کے ہاتھ سے پھسل رہا تھا۔

وہ وہیں دیوار کے ساتھ نیچے بیٹھتی چلی گئی اور سر گھٹنوں پہ گرا لیا۔ اس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔ شاید اسے یہ نہیں کرنا

چاہیے۔ شاید اسے کچھ اور کرنا چاہیے۔ مگر اب شاید دیر ہو چکی تھی۔

ملا کہ ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کے گیا تھا۔ وہی سمندر کی وجہ سے فضا کا نم ہونا.... وہی چائے خانوں کی خوشبو.... وہی

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

بازاروں کا شور.... وہ تنہا ڈرائیو کرتے ہوئے یہاں آیا تھا۔ سیدھا اپنے گھر نہیں گیا۔ اس کا رخ اس مسجد کی طرف تھا جو اس نے اس خواب میں دیکھی تھی۔

آگے کا راستہ آسان تھا۔ وہ ان گلیوں سے شناسا تھا۔ اس شہر میں اس کا بچپن گزرا تھا۔ یہاں قریب ایک دکان تھی جہاں وہ بہت آیا کرتا تھا۔

کار ایک جگہ روک کے فاتح باہر نکلا تو عام دنوں سے مختلف نظر آتا تھا۔ سیاہ پینٹ پہ سیاہ جیکٹ پہنے اس کے بال ماتھے پہ نکھرے تھے اور متلاشی نظریں اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔

اندر حیرت زدگ کو پولیڑ کی روشنی نے منور کر رکھا تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ وہ آگے قدم اٹھانے لگا۔

بہت عرصے بعد وہ اپنی سکیورٹی ڈیٹیل کے بغیر یوں باہر نکلا تھا۔ ملاکہ میں مجسمے کے اندر سے کتاب لکانے والے دنوں کے بعد وہ یہاں نہیں آیا تھا۔ کے ایل کے شور ہنگامے سے دور یہ پرسکون شہر اس کے دل کو عجیب طرح سے کھینچتا تھا۔ جانے کیا تھا جو اس شہر میں کھویا تھا۔ کیا تھا جس کا گواہ سمندر کا پانی تھا اور آسمان تھا اور یہ راستے تھے.... مگر صرف وہی نہیں جانتا تھا.... مطلوبہ دروازے پہ وہ رکا اور ڈور میٹ کو دیکھا۔ آج وہاں کوئی سنہری پنکھ نہیں تھا۔ باقی سب ویسا ہی تھا۔ آدمی رات کو وہ کسی کے گھر دستک کیسے دے؟ فجر کا انتظار کرے؟ وہ سوچ ہی رہا تھا جب دروازہ کھل گیا۔ فاتح نے تعجب سے ابرو اٹھائے۔ چوکھٹ میں ایک لمبی قمیص اور کرنگ پہنے، کمر پہ کپڑا ہانڈھے، چمکتی آنکھوں والا آدمی کھڑا تھا۔ وہ جیسے اس کے انتظار میں تھا۔

”خوش آمدید! دان فاتح۔ آج آپ کو کیا چیز میرے دروازے پہ دوبارہ کھینچ لے آئی؟“ وہ مسکرا کے پوچھ رہا تھا۔

(دوبارہ؟) دان فاتح کے دل میں کچھ ڈوب کے ابھرا۔ اس کو اس گمشدہ رات کا پہلا کلیو ملا تھا۔ وہ واقعی اس گھر آیا تھا۔

”میں اندر آ سکتا ہوں کیا؟“ تیوری جڑھائے سپاٹ سے انداز میں پوچھا تو چادوگر نے راستہ دے دیا۔

اس گھر میں اگر بتیوں کی عجیب سی مہک تھی۔ جگہ جگہ موم بتیاں روشن تھیں۔ جو ایک آدھ بلب جل رہے تھے وہ باہر سے تمک کے بنے تھے۔

”میں ایک دفعہ پہلے بھی یہاں آیا تھا۔“

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں فرشی نشست پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے اور درمیان میں لکڑی کی چوکی نما نیچی میز تھی۔

”جی! دان فاتح۔ آپ سولہ جولائی کی رات کو میرے پاس آئے تھے۔“ آدمی چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

فاتح نے جواب میں پہلے ایک طائرانہ نظر دیوار کی طرف دوڑائی جہاں مختلف شیلف بنے تھے اور ان میں بوتلیں رکھی

Downloaded from Paksociety.com

تھیں۔ پھر اس آدمی کو دیکھا۔

”کون ہو تم؟ اور تمہارے پاس میں کیوں آیا تھا؟“

”میں تالیہ کا ایک عزیز ہوں۔ اس کے بچپن کا دوست اور آپ مجھے اس کے لئے ایک پیغام دینے آئے تھے۔ آپ کو ڈر تھا

کہ صبح تک آپ یہ بات بھول جائیں گے۔“

”تم کہہ رہے ہو کہ میں نے تمہیں تالیہ کے لئے کوئی پیغام دیا تھا؟“

آدمی نے سر اثبات میں ہلایا۔

”اور مجھے کیوں لگتا تھا کہ میں وہ بھول جاؤں گا؟“

آدمی نے لاعلمی سے کندھ سے اچکا دیے۔ ”میں نہیں جانتا۔“

چند لمحوں کے لیے پراسرار دیوان خانے میں خاموشی چھا گئی۔ موم بتیاں قطرہ قطرہ پگھلتی رہیں۔ اگر بتیاں سلگتی رہیں۔

”کیا پیغام دیا تھا میں نے؟“

جواباً اس آدمی نے چوکی پر رکھا دستہ اٹھایا۔ پہلے صفحے پہ قلم سے کچھ لکھا اور پھر صفحہ پھاڑ کے اس کی طرف بڑھا دیا۔ فاتح نے

اجنبی سے اسے تھاما۔ اس پہ چند ہند سے لکھے تھے۔

”ان نمبرز کا کیا مطلب ہے؟“

”اگر آپ چاہتے کہ میں اس پیغام کو سمجھ لوں تو کبھی اس کو ہندسوں کی صورت نہ لکھتے۔“

وہ چند لمحوں کے لئے اس کا غد کو دیکھتا رہا۔ ”ویس ایٹ؟“

”ویس ایٹ!“

”کیا تم نے اسے یہ پیغام دیا تھا؟“

”جی۔ میں نے امانت پہنچائی تھی۔“ اس آدمی کی چمکتی نظریں فاتح کے اندر تک دیکھ رہی تھیں۔ اسے اس ماحول سے

عجیب اکٹاہٹ ہونے لگی تھی۔ وہ یہاں نہیں بیٹھنا چاہتا تھا مگر ایک سوال ابھی اسے مزید پوچھنا تھا۔

”اس رات کیا ہوا تھا؟“

”میں آپ کی اس سے زیادہ مدد نہیں کر سکتا، وان فاتح۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ گویا اسے صاف انداز میں جانے کو کہہ رہا

ہو۔ وہ ہا ہر آیا تو گلی تاریک پڑی تھی۔ ارد گرد جزو ملی چھتوں والے گھر تھے اور سرمئی نیلی اینٹوں والی دیواریں تھیں۔

وہ اس چٹ کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”کیا آپ کو اس کی بات پہ یقین ہے؟“

آواز پہ وہ رکا۔ آہستہ سے گردن موڑی تو سفید فرائی والی بچی اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ بہت دن بعد قاتل کھل کے مسکرایا تھا۔

”ہاں..... کیونکہ ایسا پیغام میں ہی لکھ سکتا ہوں۔ تمہیں یاد ہے؟“

وہ دونوں اس ٹھنڈی رات میں ساتھ ساتھ قدم اٹھانے لگے۔

”جی ڈیڈ۔ یہ شفٹ سامیئر ہے جس میں میں آپ کو پیغام لکھا کرتی تھی۔ اور آپ کے کمرے میں چھپا دیتی تھی۔“

اتنے عرصے بعد اسے ایسی سکون اور تنہائی ملی تھی۔ وہ سڑک کنارے ایک چوکی پہ بیٹھا اور موبائل نکالا۔ اسکرین آن کی تو نیلی روشنی نے اس کا چہرہ منور کر دیا۔ وہ اب ایک ایک ہند سے کے مطابق حروف تہجی موبائل میں لکھ رہا تھا۔ پورا فقرہ مکمل ہوا تو اس نے ہر لفظ کو پہلے ایک ہندسہ پیچھے شفٹ کر کے دیکھا۔ وہ مبہم رہا۔ اس نے ایک حرف آگے شفٹ کیا تو یکدم پورا فقرہ ترتیب سے بنتا گیا۔

”اس کا قاتل اس کی پسندیدہ فیری ٹیل میں ہے۔“

وہ اچنبھے سے اس کاغذ کو دیکھ رہا تھا۔ کسی لڑکی کی بات ہو رہی تھی۔ وہ تالیہ کو کسی کے قاتل کے بارے میں بتا رہا تھا۔

”یہ کس کے بارے میں ہو سکتا ہے؟“ ساتھ بیٹھی آریانہ نے کندھے اچکائے اور چہرہ ہتھیلیوں کے پیا لے میں گرا دیا۔

”کس کو فیری ٹیلو پسند تھیں ڈیڈ؟“

”کیا مجھے اس رات کسی کے قتل کے بارے میں علم ہوا تھا اور میں تالیہ کو کچھ بتانا چاہتا تھا؟ اتنے مہینے تک تالیہ اس کے لئے

کام کرتی رہی اور مگر اس نے ایک دفعہ بھی اس پیغام کا ذکر نہیں کیا۔ کیوں؟“

اس کا ذہن ملا کہ جواب تلاش کرنے آیا تھا۔ یہاں آ کے وہ مزید الجھ گیا تھا۔

سفید ہیئر بیٹڈ والی لڑکی ابھی تک اسے دیکھ رہی تھی۔ ”کس کو فیری ٹیلو پسند تھیں ڈیڈ؟“

وہ چٹ اگلی صبح کے ایل میں اپنے آفس میں بیٹھے قاتل کی جیب میں مڑی تری حالت میں رکھی تھی۔ وہ ایک کے بعد ایک

میشنگ اٹینڈ کرتا اور تیس سیکنڈ کے درمیانی وقفے میں اس چٹ کو نکال کے پڑھتا، پھر واپس رکھ دیتا۔ کس کا قاتل؟ کون سی فیری ٹیل؟

جواب ایک ہی تھا جو بار بار وہ رو کر دیتا تھا۔

آریانہ کو فیری ٹیلو پسند تھیں اور وہ خود کو اسنو واٹ سے تھمبہ دیا کرتی تھی۔ ایک دفعہ اس نے کہا تھا.... اس کی زندگی کے

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

سارے کردار اسنو دھیٹ جیسے ہیں۔ وہ بادشاہ کی بیٹی ہے اور اس کی ایک سوتیلی ماں بھی ہے۔ ملکہ۔

”مگر تمہاری ماں ایول کوئین جیسی تھوڑی ہے؟“ وہ دونوں صوفے پہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے جب عصرہ مسکرا کے کہتے ان کے ساتھ آ کے بیٹھی۔ آریانہ بھی پڑ گئی۔

”ظاہر ہے نہیں۔“ اسے تب لگا تھا کہ وہ شرمندہ ہوئی ہے۔ اس نے نظرا انداز کیا تھا۔ وہ کیا کچھ نظرا انداز کرتا آیا تھا؟ کارمن کافی دینے آئی تو اس نے اسے پکارا۔ ”تم نے اسنو دھیٹ پڑ گئی ہے؟ کارمن؟“ وہ سادہ سی لڑکی مسکرائی۔ ”کس نے نہیں پڑھ رکھی؟“

”اس میں اسنو کو کس نے مارا تھا؟“ اسے لگا وہ کچھ بھول رہا ہے۔

”اس کی سوتیلی ماں نے.... بادشاہ کی بیوی.... ملکہ بد نے....“ وہ رکی اور بولی۔ ”مگر ملکہ اس کو مارنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔ اس نے جنگل میں اس کے لیے شکاری کو بھیجا تھا مگر....“

”ہاں ٹھیک ہے۔ جاؤ۔“ وہ ہاتھ جھلا کے بولا اور ٹائی کی ٹاٹ ڈھیلی کی۔ وہ ایک دم پریشان نظر آنے لگا تھا۔

بھیلی عجب صورت اختیار کر گئی تھی۔ وہ اسے حل نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ابھی صبح دوپہر میں نہیں بدلی تھی جب عصرہ کافون آنے لگا۔ ایک ڈیٹلیٹ ابھی آفس سے اٹھ کے گیا تھا۔ قانع کے پاس پانچ منٹ تھے۔ اس نے گہری سانس لے کر فون کان سے لگایا۔

”کہو عصرہ۔“

”تم رات گھر نہیں آئے۔“

”میں ملا کر گیا تھا۔ صبح فجر کے ساتھ واپس نکلا اور سیدھا آفس آ گیا۔“

”کل ہم نے جس نوٹ پہ بات ختم کی تمہارے پاس اس کا اثر زائل کرنے کو دو منٹ بھی نہیں تھے؟“ وہ گہرے آنے کا شکوہ کر رہی تھی۔

”عصرہ میں جھگڑے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میری آج بیک ٹو بیک بہت سی میٹنگز ہیں شام میں سیمینار ہے اور....“

”کیا تم اس سے ملے؟“ اس کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔

”کس سے؟“ وہ انجان بن گیا۔

”وہی جس کے تعاقب میں تم ملا کر گئے تھے۔“

”نہیں۔ میں اس نہیں ملا۔“ اس نے کلائی کی گھڑی دیکھی۔ وقت کم تھا۔ اسے کانفرنس روم میں پہنچنا تھا۔

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”فاتح... کیا میں یہ ڈیزر رو کرتی تھی؟ تمہارا یہ سرد رویہ تمہاری بے وقائی؟“

”میں نے کبھی تم سے بے وقائی نہیں کی، عصرہ... تم خود ہی اپنے شک کے ہاتھوں ہمارا تعلق برباد کر رہی ہو۔“ وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے اٹھا فون کان اور کندھے کے درمیان تھا۔

”شاید تم ٹھیک ہو۔ تم شروع سے ہی ایسے تھے۔“ وہ ایک دم غصے میں تیز تیز بولنے لگی تھی۔ وہ اس وقت درست نہیں لگ رہی تھی۔ ”وان فاتح کو کبھی بھی عصرہ محمود سے محبت نہیں تھی۔ فاتح کو صرف فاتح سے محبت ہے۔“

”تھینک یو۔ میں مینٹلک میں جا رہا ہوں اس لئے....“ وہ آفس سے باہر نکل آیا تھا۔

”یا تمہیں آریانہ سے محبت تھی۔ وہ مگنی تو تم نے صرف اپنے بچوں سے محبت کی یا پھر تالیہ سے۔ میں تو کہیں بھی نہیں تھی۔“ وہ اس پہ ایک دم چلا نے لگی تھی۔ وہ اس کے آواز پہ اکتانے کے بجائے پریشان ہو گیا تھا۔ شاید اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اسے ایک دم اپنی سردہری پہا فوس ہوا۔

”عصرہ تم ٹھیک ہو؟ میں شام میں گھر آتا ہوں تو....“

”کبھی میں سوچتی تھی کہ آریانہ نہ مرنے... اس کو ہم اس روز جیسٹر لفٹ پہ نہ لے کر جاتے.... نہ وہ مگنی اور اس کا شوہر اس کو اغوا کرتے اور نہ وہ مرنے... تو ہماری زندگی مختلف ہوتی۔ تم ابھی بھی میرے ہوتے مگر نہیں۔“ وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ”تم تب بھی اسی طرح مجھ سے بے وقائی کر جاتے فاتح۔ تم تب بھی کسی تالیہ کو ڈھونڈ لیتے۔ ہمارا تعلق آریانہ کے جانے سے مرده نہیں ہوا۔“

وہ وہیں کارپڈور میں کھڑا رہ گیا۔ بالکل ساکت۔ پتھر کا بت۔

”فاتح؟ سن رہے ہو؟ یا کال کاٹ دی ہے؟ فاتح؟“ وہ چلائی تھی۔

”تمہیں کیسے معلوم وہ آدمی مگنی کا شوہر تھا؟“

ساری دنیا وہاں رک گئی تھی۔ اسی کارپڈور میں۔ ایسے لگتا تھا کہ آتے جاتے لوگ اپنی جگہوں پہ نمک کے مجسمے بن گئے ہوں۔

اور دوسری طرف عصرہ کا سانس بھی ختم کیا تھا۔

”کیا؟ کون؟“ اس کی آواز دھیمی ہوئی۔ پھر اس نے دوبارہ سے غصہ کرنے کی کوشش کی۔ ”میں تم سے تالیہ کی بات کر رہی ہوں اور تم....“

”نوںو۔ گوبیک۔ گوبیک۔“ وہ تیزی سے بولا۔ ”تم نے کہا مگنی کا شوہر.... تمہیں کیسے معلوم وہ اس کا شوہر تھا؟“

Downloaded from Paksociety.com

”میں.... پتہ نہیں....“ وہ گنگ رہ گئی۔ ”پولیس رپورٹ میں تھا شاید.... ظاہر ہے وہ اس کا شوہر بوائے فرینڈ کچھ ہو گا“ مگر....“

”پولیس رپورٹ میں اس آدمی کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ ان دونوں کی لاشیں میں نے دیکھی تھیں صرف۔ میں نے تو کسی کو نہیں بتایا تھا سوائے تمہارے۔ اور میں نے تم سے پوچھا تھا کہ اس آدمی کا معنی سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ اور تم نے کہا تھا تم نہیں جانتیں۔“

”فاتح.... تم کیا کہہ رہے ہو میں تو غصے میں مثال دیتے ہوئے کہہ رہی تھی کہ....“
سامنے کھڑا اس کا چیف آف اسٹاف اسے میٹنگ کے لئے بلا رہا تھا۔ وقت کم تھا۔
اس کا ذہن جیسے الفاظ کے سمندر کے بھنور میں گھوم رہا تھا۔

”عصرہ.... میں تم سے فارغ ہو کے ہات کرنا ہوں۔“ اس نے فون رکھ دیا۔

کارپڈور میں اس کے اٹھتے اگلے قدم بھاری تھے۔ بے حد بھاری۔ وہ دھیرے دھیرے چل رہا تھا۔ ساری دنیا ارد گرد سلوموشن میں رواں دواں نظر آرہی تھی۔ آوازیں بھاری ہو کے سنائی دے رہی تھیں۔ ایسے میں چند الفاظ ذہن میں گونج رہے تھے۔

اس کا قاتل اس کی پسندیدہ فیری ٹیل میں ہے۔

کانفرنس روم کے دروازے پہ وہ اسے کھڑی نظر آئی تھی۔ ہیکر بینڈ پہنے، اس لڑکی جس کے سفید فرائ کپ پہ سامنے کو خون لگا تھا۔ اس کی کپٹی سے بھی خون بہہ رہا تھا اور وہ گلہ آمیز نظروں سے دروازے کے قریب آتے فاتح کو دیکھ رہی تھی۔

”ڈیڈ.... آپ کو میری پسندیدہ فیری ٹیل کیسے بھول گئی؟ ہمیں الگ ہوئے کیا اتنے برس بیت گئے؟“

وہ سفید چہرے کے ساتھ اسے دیکھتا دروازہ کھول رہا تھا۔ وہ ہار رہ گئی۔ وہ اندر آ گیا۔ مگر اس کا ذہن ابھی تک ماؤف سا تھا۔ جیسے اس میں بہت شور برپا ہو۔

جیسے اس میں خوفناک سی خاموشی چھا گئی ہو۔

میٹنگ میں اشعر کچھ کہہ رہا تھا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کے ہاتھ ہلا کے۔ فاتح کو صرف اس کے لب ملتے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ کال تلے انگلی جمائے اشعر کو دیکھ رہا تھا مگر نظریں اشعر کے پیچھے کھڑی آریا نہ پہنچی تھیں۔

وہ کانفرنس روم کے کونے میں کھڑی تھی۔ اس کے سینے پہ لگے گھاؤ سے خون ابل ابل کے باہر گر رہا تھا اور وہ بھیگی آنکھوں سے فاتح کو دیکھ رہی تھی۔

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”کیا ہمیں پھڑپھڑے اتنے برس بیت گئے تھے ڈیڑھ؟“

میننگ ختم ہوئی تو وہ ایک لفظ کہے بنا اٹھا اور باہر چلا گیا۔ قدم اٹھا کہیں رہا تھا پڑ کہیں رہے تھے۔

کارڈور میں لوگ ادھر ادھر جا رہے تھے۔ فاتح نے چلتے چلتے جیب سے وہی پرچی نکالی اور اس کی سلوٹس سیدھی کیں۔ اس کا قاتل اس کی پسندیدہ فیری ٹیل میں ہے۔“

کوئی اور ہوتا تو ایک لمحے میں سب واضح ہو جاتا مگر وہ فاتح تھا اور سامنے عصرہ تھی۔ ایک لمحے میں سب واضح نہیں ہو سکتا تھا۔

اس نے پرچی مروڑ کے جیب میں رکھ دی۔ اسنووائٹ کے لئے جلا اس کی سوتیلی ماں نے بھیجا تھا مگر یہاں وہ اس بات کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ صرف ایک خیال ذہن کو مفلوج کر رہا تھا۔ عصرہ غنی کے شوہر کے بارے میں کچھ جانتی تھی اور اس سے چھپا رہی تھی؟ اتنا عرصہ؟

وہ آفس میں واپس آیا تو کارمن نے چوکھٹ سے جھانکا۔ ”سرا بھی دس منٹ میں آپ نے پارلیمنٹ کے لئے نکلنا ہے اور....“

”آؤٹ!“ وہ کرسی کی طرف جاتے ہوئے دھاڑا تھا۔ کارمن گڑبڑا کے پیچھے ہوئی اور جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔

اس نے ٹائی ڈھیلی کی اور فون اٹھایا۔ وہ اس بات کو کلیئر کیے بغیر اگلا کام نہیں کر سکتا تھا۔

”تم آریا نہ کی غنی کے بارے میں اور کیا جانتی ہو جو تم نے مجھے نہیں بتایا؟“ کال ملتے ہی وہ دہشتی سے بولا تھا۔ ایک ہاتھ سے فون کان پہ لگا رکھا تھا دوسرے سے ٹائی ڈھیلی کر رہا تھا۔

”میں کچھ نہیں جانتی۔“ عصرہ سنبھل چکی تھی۔ ”میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے میرے منہ سے پتہ نہیں کیا نکلا کہ....“

”جب اس آدمی کی کارٹی تھی تو میں نے اور پولیس نے سینکڑوں دفعہ تم سے پوچھا تھا اگر اس غنی کا کوئی مرد رشتے دار یا دوست اس سے ملنے آتا تھا؟ اور تم نے کہا تھا کہ تم نے چھان پھٹک کے اس غنی کو ہار کیا تھا۔ اس کا کوئی بوائے فرینڈ تک نہیں تھا۔ تم جانتی تھیں مجھے ایسی غنی نہیں پسند تھیں جس کے یوں تعلقات ہوں۔“

”فاتح مجھے نہیں پتہ وہ آدمی اس کا کیا لگتا تھا۔ تم نے کہا تھا کہ غنی کے ساتھ ایک آدمی کی لاش بھی تھی تو میں نے سامعہ لگایا کہ وہ اس کا شوہر ہوگا۔ تم مجھ پہ کس چیز کا شک کر رہے ہو؟“

وہ اس پہ معلومات چھپانے کا شک کر رہا تھا۔ اس سے غنی کو ہار کرنے میں غلطی ہوئی تھی اور ضرور کوئی مشکوک آدمی آتا جاتا ہوگا مگر عصرہ نے اسے نظر انداز کیا اور جب خمیازہ بھگتنا پڑا تو اس نے اپنی غلطی چھپا دی۔

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”تم جانتی ہو میں تم پہ کس چیز کا شک کر رہا ہوں۔“

”وان فاتح!“ وہ درد سے چلائی تھی۔ ”کیا آریانہ کی موت کے علاوہ ہماری زندگی میں کچھ نہیں ہے؟ ہر چیز اتنے برسوں سے اسی کے گرد کیوں گھومتی ہے؟ وہ مر گئی ہے فاتح۔ مگر میں تو زندہ ہوں۔“

”وہ ہماری بیٹی تھی!“ وہ دانت پیس کے غرایا۔

”ہماری نہیں۔ وہ صرف تمہاری بیٹی تھی۔“ وہ بھی برہی سے چلائی۔ ”میں نے اتنے سال اسے پالا اس کا خیال رکھا، مگر آخر میں تم نے مجھے یہ صلہ دیا کہ تم مجھ پہ شک کر رہے ہو؟“

”میں شک نہیں کر رہا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم نے اپنی غلطی کو اپ کی ہے۔“

”تم..... تم یہ کہہ رہے ہو کہ اس آدمی کو میں نے بھیجا تھا آریانہ کو اغوا کرنے کے لیے؟ تم مجھ پہ اتنا بڑا الزام لگا رہے ہو؟“

اور وان فاتح کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ اس نے مڑی تڑی پرچی نکالی اور اس کی شکنیں سیدھی کیں۔ تحریر واضح تھی۔ جو بات وہ خود سے نہیں کہہ سکا وہ عصرہ نے اتنی آسانی سے کہہ دی تھی۔

”بولو... جواب دو۔“ پھر جیسے اس کی خاموشی پہ وہ بے قرار ہوئی۔ ”فاتح... تم واقعی مجھ پہ شک کر رہے ہو؟ یہ سب تالیہ نے تمہارے ذہن میں ڈالا ہے۔“

”اس کو..... تم نے بھیجا تھا۔“ وہ آہستہ سے بولا تو اس کی آواز مختلف تھی۔ سرد، اجنبی، اندر تک کاٹ دینے والی۔ عصرہ کی روح تک کانپ اٹھی۔

”فاتح.... کیا کہہ رہے ہو.... میری بات سنو.....“

”میں شام میں گھر آؤں گا۔ ہم تب بات کریں گے۔ ایک آخری بات۔ اس کے بعد میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہوں گا۔“ اس نے کاٹ کا ل دی۔ عصرہ کی کال آنے لگی تو فاتح نے فون آف کر دیا۔

پھر وہ پرچی زور سے پھاڑی۔ دو چار آٹھ.... اس نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

عصرہ نے کہا تھا۔ ”کیا اسے میں نے بھیجا تھا آریانہ کو اغوا کرنے؟“

اس نے یہ نہیں کہا کہ آریانہ کو مارنے۔

کسی دوسرے کے لئے دونوں باتیں برابر تھیں مگر وہ جانتا تھا کہ وہ لوگ اسے صرف اغوا کرنے آئے تھے۔ اسے مارنے نہیں۔ عصرہ نے مارنے کی بات نہیں کی تھی۔ اس نے اپنے بدترین گلٹ کو باہر نکال دیا تھا۔ اس آدمی کو عصرہ نے بھیجا تھا۔ عینی

بھی عصرہ نے رکھی تھی۔ آریانہ کی موت کے بعد سب سے زیادہ خوف اور ڈپریشن کا شکار بھی عصرہ ہی رہی تھی۔ سب واضح تھا

Downloaded from Paksociety.com

مگر کون کہتا ہے کہ پھیلی کو حیرت انگیز جواب مل جائیں تو دل فوراً سے مان بھی لیتا ہے؟

دل انکار نہیں کرتا بے شک۔ اسے سارا کھیل سمجھ آ جاتا ہے۔ مگر وہ صدمہ.... وہ بے یقینی.... وہ اسے بالکل گنگ کر دیتی ہے۔

وان فاتح نے کس دل سے پار لیمان کا سیشن اٹینڈ کیا۔ صرف وہی جانتا تھا۔ وہ سارا وقت خاموش رہا۔ اس کے ذہن میں گزرے ماہ و سال کسی فلم کی طرح گردش کر رہے تھے۔

وہ کبھی عصرہ کا آریانہ سے تنگ پڑ جاتا اور اس سے سلوک بدل لیتا.... وہ کبھی آریانہ کا شکایت کرنا کہ عصرہ فاتح کی غیر موجودگی میں اس کے ساتھ سختی سے پیش آتی ہے.... مگر اسے اپنے سامنے کبھی کچھ محسوس نہیں ہوا تھا۔ عصرہ اس بات کو یوں کور کر دیتی تھی کہ اسے لگتا بچے کی تربیت اور بھلائی کے لئے اگر بحیثیت ماں وہ سختی کر بھی دیتی ہے تو اچھی بات ہے۔ اور پھر آریانہ نے شکایت کرنا چھوڑ دی۔

وہ اپنی کتابوں میں رہنے لگی۔ اس کو اسنووائٹ کی کہانی سب سے زیادہ پسند تھی۔ وہ اکثر کہتی تھی کہ وہ اسنووائٹ ہے۔ اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ وہ خود کو شہزادی سمجھتی ہے بلکہ اس کی بھی ایک ظالم سوتیلی ماں تھی جو اس کے باپ کی غیر موجودگی میں اس کے ساتھ رویہ بدل لیتی تھی۔

اس نے اپنا فون شام تک نہیں کھولا۔ اسے شام کا انتظار تھا جب وہ گھر جائے گا اور عصرہ سے دو ٹوک بات کرے گا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی کال بند ہونے کے کچھ دیر بعد تالیہ نے اس نمبر پہ میسج بھیجا تھا جو عصرہ کے پاس تھا۔ عصرہ اس وقت دیوانہ وار اس کو کال ملاتے ہوئے مضطرب سی گھر میں چکر کاٹ رہی تھی۔ خوف سے اس کا دل کانپ رہا تھا۔ رات جب وہ گھر آئے گا تو جولیاناہ اور سکندر کے سامنے ان کی ماں کی حقیقت کھول دے گا۔ سب کھل جائے گا۔ پہلے اس نے فاتح کو کھویا تھا اور وہ اپنے آپ کو دھیرے دھیرے ختم کر رہی تھی مگر وہ اپنے بچوں کو بھی کھودے گی؟

وہ بڑ حال سی صوفے پہ گر گئی۔ اس کے جسم میں درد تھا۔ اس کے اعصاب اب ویسے مضبوط نہ رہے تھے جیسے کبھی ہوتے تھے۔ وہ جس شان سے دنیا چھوڑنا چاہتی تھی وہ اس سے شام میں چھین لی جائے گی۔ وہ فاتح کی آنکھوں میں دیکھ کے جھوٹ نہیں بول سکے گی۔ بولے گی بھی تو وہ جان لے گا۔

وہ غلطی پہ غلطی کر رہی تھی۔ سارا کھیل ہاتھ سے پھسل رہا تھا۔ اور تب ہی تالیہ کا میسج آیا۔ بس ایک لمحے میں عصرہ کو علم ہو گیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ وہ فاتح کو فیس نہیں کر سکتی تھی۔ اسے آج شام سے پہلے اس کھیل کو ختم کرنا ہے۔

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

آگے کا مرحلہ آسان تھا۔ نوکروں کو گواہ بنانا.... دولت کو بلا کے اس کے سامنے تالیہ پہ شک کا اظہار کرنا.... اور پھر.... ایک کا آدھا کلڑا کھانا جس پہ آئینک کے طور پہ اس نے بہت سا آرسینک چھڑک رکھا تھا۔ ذرا سا کلڑا اس نے بچا دیا.... اور باقی اپنے اندر اتار لیا۔ پھر صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی اور گیلی آنکھوں سے چھت کو دیکھنے لگی۔

اس دنیا میں کوئی بھی اپنی مرضی سے مرنا نہیں چاہتا۔ موت ایک فرار ہے۔ اور عصرہ محمود کو ہمیشہ سے فرار کی عادت تھی۔ اپنا جرم چھپانے کے لئے اول روز سے وہ فاتح کو ملائی شیاء سے واپس امریکہ لے جانا چاہتی تھی۔ اسے فرار چاہیے تھا مگر جب یہ تسلی ہو گئی کہ آریانہ مر چکی تھی تو چند مہینوں کے لئے اسے لگا کہ وہ حکومت کر سکتی ہے۔ وہ نئی زندگی شروع کر سکتی ہے۔ مگر پھر.... تالیہ نے اس سے سب کچھ چھین لیا۔ تالیہ مراد نے اس سے حکمرانی کی خواہش اس کا شوہر اس کے بچے سب چھین لیے۔ اس کا دل مروہ کر دیا۔ اور اب.... اب تالیہ اس کی سزا بھگتے گی۔

عصرہ ایک دیوی کی طرح مرے گی۔ اس کے بچے اس کو ہمیشہ مظلوم سمجھیں گے۔ ایک ہیروئین۔ اور تالیہ اس جال سے کبھی نہیں نکل سکے گی جو عصرہ نے اس کے لئے بچھایا تھا۔

وہ کرسی پہ بیٹھی تھی.... سر پیچھے لگا رکھا تھا اور نظریں چھت سے لٹکتے فانوس پہ جمی تھیں۔

اس کی روشنی کو دیکھتے ہوئے اس وقت عصرہ کو عجیب سا احساس ہونے لگا.... اس نے خود کو کیوں مار دیا؟ اس نے میدان تالیہ کے لیے کیوں چھوڑ دیا؟ وہ بی این کی نائب صدر تھی.... اس کے پاس دولت تھی.... گھر تھا.... بچے تھے.... اس نے ان سب کو کیوں چھوڑ دیا؟ نہیں.... یہ سب غلط ہو رہا تھا.... اسے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا.... اسے لڑنا چاہیے تھا.... اس نے اٹھنے کی کوشش کی.... اسے ناک سے خون نکلتا محسوس ہوا.... اسے وہ خوف محسوس ہوا جو مرنے سے پہلے ہر خودکشی کرنے والے کو ہوتا ہے.... وہ سب کچھ رپورس کر لینے کی آخری خواہش.... بڑبڑ.... مگر تب تک اس کا جسم مفلوج ہو چکا تھا.... وہ اٹھ نہیں سکی۔ گردن دائیں طرف ڈھلک گئی۔

اسے اب کرسی کے ساتھ.... آریانہ کھڑی نظر آ رہی تھی۔

اس کے سفید لباس پہ خون لگا تھا.... مگر وہ مسکرا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک ادھ کھایا سیب تھا۔ عصرہ کو دیکھتے ہوئے وہ دھیرے دھیرے اس سیب کے ہائٹ لیتی رہی تھی۔ پھر ہونٹ بند کیے اسے چباتی جاتی....

وہ جب تک گھر آیا.... گھر میں ہجوم پہلے سے اکٹھا تھا۔ پولیس، میڈیکس، اشعر.... اور دولت.... جو شام سے عصرہ کو بار بار کال کر رہا تھا اور ملازم نے جب فون اٹھا کے اس کی بے ہوشی کا بتایا تو وہ فوراً آ گیا تھا۔

مگر سب کو دیر ہو چکی تھی۔ عصرہ محمود جا چکی تھی۔

Downloaded from Pakvociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

جب وان فاتح نے اس کی نعش دیکھی.... اس کا سفید چہرہ.... اور اس چہرے کے تاثرات.... تو اس کا دل عجیب دیرانوں میں گھومتا چلا گیا۔ عصرہ نے آریانہ کے لئے اغوا کار بھیجے تھے عصرہ اتنے سال اس سے جھوٹ بولتی آئی تھی یہ سب باتیں کتنی ہونگئیں۔

انسانی موت اپنے اندر خود اتنی بڑی ٹریجڈی ہے جو کسی بھی زندہ انسان کا دل دھلا دیتی ہے۔ ایک احساس زیاں ایک خلا..... ایک ملال سارہ جاتا ہے... عصرہ محمود فاتح کو نفیس کیے ہٹا... اس سے معافی مانگے ہٹا... ایک ہی لمحے میں اپنے لیے اس کی معافی لکھوا گئی تھی.....

وہ ان لوگوں کے ساتھ اسٹریچر کے گرد دھکتے سا کھڑا تھا۔ وہ سب اپنی اپنی کہہ رہے تھے۔ موت کی وجہ..... زہر..... یہ وہ..... اور تبھی اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ جیسے اوپر کوئی ہے۔ اس نے نگاہ اٹھائی تو وہ وہاں کھڑی تھی۔ سیاہ ٹوپی اور سیاہ لباس میں اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔ آنکھیں بے یقینی سے کھلی تھیں۔ ان کی نگاہیں ملیں اور وان فاتح کی ساری حسیات جاگنے لگیں۔

(بھاگ جاؤ تالیہ!) اس نے اسے اشارہ کیا تھا۔

اور اگلے ہی لمحہ وہاں سے غائب ہو چکی تھی۔

☆☆=====☆☆

رات خوفناک حد تک خاموش تھی۔ تاریک آسمان خاموشی سے شہر کی گلیوں میں بھاگتی اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ ایک ٹیکسی سے دوسری بدلتی، ایک گلی سے دوسری میں مڑتی.... وہ بھاگتی بھاگتی اپنے گھر تک آ پہنچی تھی۔ اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے گھڑی پہ وقت دیکھا۔ زیادہ سے زیادہ دس منٹ میں پولیس یہاں ہوگی۔ اسے جو کرنا تھا اسی وقت میں کرنا تھا۔

تالیہ مراد نے کئی سال تک اس بات پہ تحقیق کی تھی کہ پولیس اس کے گھر تک کتنی جلدی پہنچ سکتی ہے۔ کون سا اسٹیشن یہاں سے کتنا دور ہے۔ ایک خوف سا تھا کہ کبھی وہ دن آئے گا جب اسے پولیس سے بھاگنا پڑے گا۔ یہ نہیں معلوم تھا کہ بے گناہ ہونے کے باوجود ایسا ہوگا۔ مگر یہ معلوم تھا کہ اگر ایسا ہوا تو کیا کرنا تھا۔ اور جو اسے معلوم تھا اسے آج اس کی جان بچانی تھی۔ اس نے گیلے جوتے ڈور میٹ پہ اتارے اور اپنے ٹریزر بیروں میں پہنے۔ پھر بیسمٹ میں کھلنے والے دروازے تک آئی۔ فنگر پرنٹ سے اسے کھولا۔ اور سیڑھیاں پھلانگتی نیچے کو چلی۔

بیسمٹ کو وہ عرصہ ہوا خالی کر چکی تھی۔ اپنے پچھلے اعمال کے تمام ثبوتوں اور نشانیوں سے پاک۔

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

اب وہاں صرف ایک شے موجود تھی۔

اس نے بھاری میز دھکیلی۔ فرش سے ایک لکڑی کھلینک اٹھایا اور نیچے ہاتھ ڈالا۔ خفیہ خانے میں ایک سیاہ بیگ رکھا تھا۔
تالیہ نے وہ بیگ اٹھایا اور زپ کھولی۔

اندر تین پاسپورٹ تھے۔ نوٹوں کے چند بنڈل، گن، چاقو، ایک کپڑوں کا جوڑا، دو کریڈٹ کارڈ، چند دستاویزات رکھے تھے۔ وگ ٹینز، گلاسز، نیا فون، چارجر، پاور بینک اور چاکلیٹ ہارز۔
بیاس کا گوبیگ تھا۔

برسوں سے وہ اس لمحے کے لئے تیار تھی۔ اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے اور دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا مگر کسی ریپرسل شدہ عمل کی طرح تمام اعضاء تیزی سے کام کر رہے تھے۔

اس نے بیگ کندھے پہ ڈالا، گھر کا دروازہ اندر سے لاک کیا اور پچھلے دروازے سے باہر نکل گئی۔ پولیس کے سائرن پس منظر میں سنائی دے رہے تھے۔

اب وہ بس اسٹاپ کی طرف جا رہی تھی۔ ہڈی سر پہ گرائے، آنکھوں پہ نظر کا چشمہ پہنے، اس نے ماحولیاتی آلودگی سے بچنے والا سبز ماسک اس نے ناک پہ جھار رکھا تھا۔ یہاں کے ایل میں بہت سے لوگ ماسک پہنے گھوما کرتے تھے۔

ایک فون بوتھ پہ وہر کی اور سیور اٹھا کے ایک نمبر ملایا۔ حسب توقع آگے سے وائس میل آن تھا۔

”داتن۔“ وہ پھولے تنفس کے درمیان کہہ رہی تھی۔ ”پولیس میرے پیچھے ہے۔ اس لئے تمہارے ریگولر نمبر پہ کال نہیں کر سکتی۔ وہ ٹیپ ہو رہا ہوگا۔ اب میری بات دھیان سے سنو۔“ وہ دائیں بائیں احتیاط سے دیکھتی سرگوشی میں کہنے لگی۔ ”وہ سمجھتے ہیں کہ میں نے عصرہ کو مارا ہے۔ مگر میں نے اسے نہیں مارا۔ تمہیں کوئی کچھ بھی کہے اس کی بات کا اعتبار مت کرنا۔ اپنے دل کی سننا۔ میں مشکل میں ہوں۔“ اس کی آواز بھینکنے لگی۔ چند گہری سانسیں اندر کھینچیں۔

”کاش میرے پاس وقت کی چابی ہوتی تو میں.... میں وقت میں تین چار ماہ آگے نکل جاتی.... اس ملک سے دور.... شاید جاپان کی طرف.... مگر ابھی.... ابھی مجھے سنگاپور جانا ہے۔ مجھے ایک کلین پاسپورٹ چاہیے۔“ وہ ہدایت دے رہی تھی۔ ”تم صبح گیارہ بجے تک اپنے گھر سے نہیں نکلو گی۔ ٹھیک گیارہ بجے تم اپنے گھر کے باہر والے ہمارے مخصوص ڈراپ باکس میں پاسپورٹ رکھ دو گی۔ میں وہاں سے اٹھالوں گی۔ مگر میں تم سے مل نہیں سکوں گی.. اور دھیان کرنا پولیس کو نہیں علم ہونا چاہیے۔ اس کے بعد تم بھی ملک چھوڑ دینا اور میں.... میں سنگاپور سے آگے نکل جاؤں گی مگر....“ وہ گیلی آواز سے مسکرائی۔ ”کبھی ہم دوبارہ ضرور ملیں گے۔ کسی اور زمانے.... کسی اور موسم میں.... سمندر کنارے کچی مچھلی کا شکار کرنے

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

.... ہم ضرور ملیں گے فاتن۔“ اس نے فون بند کیا۔ آنکھیں رگڑیں۔ ہنڈ براہ کی اور تیزی سے بس کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆=====☆☆

حالم کا بنگلہ رات کے اس وقت روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ باہر کھڑی پولیس موبائلز کی جلتی بجھتی روشنیوں اور آوازوں نے ساری اسٹریٹ کو خوف و ہراس میں مبتلا کر رکھا تھا۔ دروازے کھلے تھے۔ میٹھیوں سے اوپر نیچے پولیس اہلکار آٹے جاتے دکھائی دے رہے تھے، چند منٹوں میں انہوں نے تالیہ کا سارا گھرا لٹ کے رکھ دیا تھا۔

لاؤنج کے وسط میں دولت کھڑا تھا۔ ہاتھ پہلوؤں پہ جمائے ٹھٹھ کے کف موڑے وہ ناخوش نظر آتا تھا۔ اس کے کندھوں سے کمر تک ٹیٹ سے بندھا ہولسٹر اور پستول واضح نظر آ رہا تھا۔

”گھر کلیئر ہے سر!“ ایک اہلکار نے آ کے اطلاع دی تو دولت نے آنسوؤں سے لگی ٹیٹ میں سر ہلایا۔

”ظاہر ہے اسے معلوم تھا ہم آ رہے ہیں۔ وہ بھاگ چکی ہے۔ بات سنو سب۔ ایوریون۔“

اس نے تالی بجائی تو اوپر نیچے پھیلے اہلکار ہاتھ روک کے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

”میری ابھی وزیراعظم صاحبہ سے بات ہوئی ہے۔ عصرہ محمود ایک ہائی پروفائل خاتون تھیں اور ان کی موت کوئی عام بات

نہیں ہے۔ پردھان منتری نے تالیہ مراد کی فوراً گرفتاری کا حکم دیا ہے۔“

وہ دائیں بائیں سرگھماتا ایک ایک کو دیکھتا سختی سے کہہ رہا تھا۔

”ایک گھنٹے میں پولیس کے ہرٹا کے شہر کی ہر اینٹری اینگزٹ ہر تھانے اور ایئر پورٹ پہ تالیہ کی تصاویر بھیج دو۔ شہر کی ہر

پولیس پٹرول پینٹ کو اس کا علیہ اور تصویر ملنی چاہیے۔ اس کے گھر کے ارد گرد سی سی ٹی وی سے اس کی نقل و حرکت کو ٹریس کرنے

کی کوشش کرو۔ اس کے تمام دوستوں کے فونز ٹیپ کرو۔ وان فاتح کا بھی۔ وہ کسی سے رابطہ ضرور کرے گی۔“

وہ اب کتھٹی پہ انگلی رکھے سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ”تالیہ مرا کو اگر میں جانتا ہوں تو اس کا اگلا اسٹیپ....“ اس نے رک

کے سوچا۔ تالیہ اب کیا کرے گی؟

”فرار.... وہ ملک سے فرار ہونے کی کوشش کرے گی۔“ وہ مسکرا کے بولا تھا۔ ”اور ہمیں اس شہر کے ہر دروازے پہ پہرہ لگا

دینا ہے۔“

وہ کہہ رہا تھا جب فون کی تھنٹی بجی۔ اس نے بات روک کے موبائل کان سے لگایا۔

”بولو زائد۔“ دوسری جانب اس کا اینڈلسٹ ہیڈ کوارٹر سے بات کر رہا تھا۔

”سر.... ایک اطلاع ہے۔“ اینڈلسٹ دے دے جوش سے کہنے لگا۔ ”یاد ہے ہم نے تالیہ کی کیس انویسٹی گیشن کے

Downloaded from Paksociety.com

دوران اس کی دوست لیا نہ صابری کی قائل تیار کی تھی۔ مجھے اس دوران لیا نہ کا ایک ایسا فون نمبر ملا تھا جو اس کے گھر کے ملائے میں مخصوص وقت کے لئے آن ہوتا تھا۔ یہ نمبر اس کے نام پہ نہیں ہے اور....“

”مجھے اس سے غرض نہیں ہے کہ تم نے وہ نمبر کیسے ڈھونڈا۔“ دولت نے اکتا کے ہات کاٹی۔ ”مجھے یہ بتاؤ کہ اس نمبر پہ تالیہ نے رابطہ کرنے کی کوشش کی ہے؟“

”لیس سر۔“ وہ دبے دبے جوش سے بولا۔ ”وہ نہیں جانتی کہ ہم اس نمبر کو ٹیپ کر رہے تھے۔ اس نے وائس میل میں پیغام چھوڑا ہے۔ میں آپ کو سنواتا ہوں۔“

دولت چند لمحے تک اس پیغام کو منتار ہا جوتا لیہ نے داتن کے لیے چھوڑا تھا۔ پھر اس نے فون رکھا اور ٹیم کو مخاطب کیا۔ ”ہینچ آف پلان۔ ہم اس کے گرد گھیرا تنگ ضرور کریں گے مگر ابھی تالیہ کے ملوث ہونے کی خبر میڈیا پہ نہیں دیں گے۔ وہ سب سے زیادہ اس چیز سے ڈرتی ہے۔ یہ پتہ ابھی ہم اپنے ہاتھ میں رکھیں گے۔ اور لیا نہ صابری کو ابھی ہم گرفتار نہیں کریں گے۔ وہ تالیہ تک پہنچنے کے لئے ہمارا واحد لنک ہے۔“ وہ آس اور اضطراب کے درمیان کہہ رہا تھا۔ ”امید ہے کہ تالیہ اس کے گھر کے قریب جائے گی نیا پاسپورٹ اٹھانے۔ ہمیں لیا نہ کے گھر کے گرد گھیرا تنگ کرنا ہے اور صبح تک اپنی کارروائیوں کو خاموش رکھنا ہے۔ تالیہ مراد اس وقت خوف کا شکار ہے۔ اور ایسا انسان غلطی پہ غلطی کرتا ہے۔ ہم تالیہ کی غلطی کا انتظار کریں گے۔“

اسے تالیہ کی فون کال میں عرصے بعد وہی خوف محسوس ہوا تھا جو قید کے ان پانچ دنوں میں اس کے چہرے پہ نظر آتا تھا۔ وہ جس چیز سے ڈرتی تھی وہی اس کے سامنے آگئی تھی۔ بہت اچھے۔

وہ تالیہ مراد کے گرد ایسا گھیرا بنا نے جارہا تھا جس کو وہ توڑنے کی کوشش میں غلطیاں کرے گی۔

بلی اور چو ہے کا کھیل شروع ہونے والا تھا۔

☆☆=====☆☆

اگلی صبح آسمان نے دیکھا کہ ایک بڑے سبزہ زار پہ عصرہ محمود کے جنازے کی رسم ادا کی جا رہی تھی۔ لوگوں کا ایک منظم جھوم وہاں کھڑا تھا۔ قطار میں لوگ باری باری آتے اور مرکزی جگہ پہ کھڑے فاتح سے ہاتھ ملاتے، تعزیت کرتے، دعا دیتے اور آگے بڑھ جاتے۔

وہ سر کے خم سے ان کی تعزیت وصول کرتا، شکر یہ ادا کرتا اور پھر ایک دیران نظر اپنے دونوں بچوں پہ ڈالتا جو اس کے دائیں طرف کھڑے تھے۔ دونوں نے اب زانو قطار روٹا بند کر دیا تھا۔ جولیا نہ صرف شل تھی اور سکند ہار ہار سر جھکا کے گیلی آنکھیں

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

پونچھتا تھا۔ فاتح ایک ہاتھ لوگوں سے ملاتا تھا اور دوسرا سکندر کے کندھے پہ جمائے ہوئے تھا۔

جولیانہ کے اس طرف اشعر کھڑا تھا۔ ان سب کے چہرے آج سوگوار تھے۔

خاندان کی ایک خاتون بچوں کو اپنے ساتھ دوسری طرف لے گئیں تو اشعر اس کے کندھے کے برابر آکھڑا ہوا۔

”آپ ٹھیک ہیں؟“

”ہوں۔“

”میں جانتا ہوں کا کا اور آپ کے اختلافات تھے اور....“

”میرے اور عصرہ کے کوئی اختلافات نہیں تھے، ایش۔ وہ ایک بہت اچھی بیوی اور ماں تھی۔ اس نے کبھی کچھ ایسا نہیں کیا

جس سے میں ہرٹ ہوا ہوں۔“ اشعر نے نظروں کا رخ موڑ کے اسے دیکھا۔ وہ سنجیدگی سے سامنے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

اس نے جیسے سارے حساب کتاب ختم کر ڈالے تھے۔ اشعر کو خیال گزرا کہ آخری دنوں میں وہ دونوں کافی بہتر ہو چکے تھے۔

فاتح نے اسے نائب جیمز پر سن بھی بنا دیا تھا۔ واقعی اب ان کے درمیان کوئی تلخی نہیں تھی۔ وہ واپس تعزیت کرنے والوں کے

ساتھ ملن ہو گیا۔

”فاتح۔“ دولت اس کے ساتھ آکھڑا ہوا تو فاتح نے چونک کے گردن موڑی۔ پھر اس کی شکل دیکھ کے ماتھے پہ ہل پڑ

گئے۔ واپس چہرہ سیدھا کر کے زیر لب بولا۔

”تمہاری تفتیش کہاں تک پہنچی؟“ اسے اس کی آمد شدید ناگوار گزری تھی۔

”بہت جلد تالیہ مراد جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہو گی۔“ وہ دونوں نا محسوس طریقے سے وہاں سے ہٹ گئے۔ اب

تعزیت کرنے والوں سے قدرے قاصدے پہ وہ گھاس پہ آئے سامنے کھڑے تھے۔

”یہ سب تالیہ نے نہیں کیا۔“

”تمہیں کیسے معلوم۔“

”اگر تم تعصب کا چشمہ اتار دو تو تمہیں بھی معلوم ہو جائے گا۔“ وہ برہمی سے دولت کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ ”وہ یہ نہیں کر

سکتی۔ اس کو اس میں پھنسا یا جا رہا ہے۔“

”اچھا؟“ دولت طنز سے بولا۔ ”کس نے پھنسا یا ہے اسے؟“

”یہ معلوم کرنا تمہاری جا ب ہے۔ سرکار اسی کے پیسے دیتی ہے تمہیں۔ جاؤ اور معلوم کرو۔“

ناگواری سے کہہ کے وہ ان فاتح آگے بڑھ گیا۔

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

دولت نے ضبط سے گہری سانس بھری، پھر گھڑی پہ وقت دیکھا۔ دس بج رہے تھے۔ اسے داتن کے گھر سے چند فرلانگ دور مقررہ جگہ پہ پہنچنا تھا۔ تالیہ مراد اپنا پاسپورٹ اٹھانے آنے والی ہوگی۔

دان فاتح اب قطار میں آئے لوگوں سے تعزیت وصول کر رہا تھا۔ اگلا شخص ایڈم تھا۔ فاتح نے اس سے ہاتھ ملایا تو وہ قریب آ کے آہستہ سے بولا۔

”مجھے بہت افسوس ہوا، سر۔“

”مجھے بھی ایڈم۔“ اس نے گہری سانس لی۔ ”میں اور میرے بچے اس ٹراما سے کیسے نکلیں گے، مجھے نہیں معلوم۔“

”میں آپ لوگوں کے لئے دعا کروں گا کہ آپ اس سے نکل آئیں۔ اللہ تعالیٰ دل سے مانگی ساری دعائیں پوری کرتا

ہے۔“ پھر اس نے چہرہ آگے کو جھکایا اور پریشانی سے پوچھا۔ ”سریہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ بچے تالیہ....“

”یہ اس نے نہیں کیا۔“ فاتح نے سختی سے آہستہ آواز میں دہرایا۔ ایڈم چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر اس نے

اثبات میں سر ہلا دیا۔

”آف کورس، سر... میں جانتا ہوں۔“ پھر سر کو خم دے کر آگے بڑھا تو کچھ سوچ کے دان فاتح اس کے پیچھے آیا۔ دونوں

ہجوم سے ذرا دور گھاس پہ چلے آئے تو فاتح نے اسے پکارا۔ وہ چونک کے مڑا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ اس کے پیچھے آرہا ہے۔

”ایڈم.... تم تالیہ کو ڈھونڈو۔ لیا نہ صابری سے پوچھو یا کسی اور سے۔ کچھ بھی کرو مگر اس کو ڈھونڈو اور....“

”اور؟“

”اور اس سے کہو کہ وہ روپوش نہ ہو۔ سامنے آ جائے۔“

”آپ چاہتے ہیں کہ وہ گرفتاری دے دیں؟ اس جرم کے لئے جو انہوں نے نہیں کیا؟“ وہ حیران ہوا۔

”ہاں کیونکہ بھاگنے سے وہ مزید مجرم لگ رہی ہے۔ ایک دفعہ وہ خود کو قانون کے حوالے کر دے تو میں اس کو بچالوں گا

کیونکہ وہ بے گناہ ہے۔“

”میرا ان سے رابطہ نہیں ہے مگر میں ان کو یہ مشورہ نہیں دوں گا۔ پہلے ہمیں اس شخص کو ڈھونڈنا ہے جس نے ان کو پھنسایا

ہے۔“ ایڈم کا پلان مختلف تھا۔ ”اصل قاتل کے خلاف ثبوت پولیس کو دینے ہیں تاکہ بچے تالیہ کا نام کلیئر ہو جائے اور وہ واپس آ

سکیں۔“ پھر وہ رکا۔ ”آئی ایم سوری.... اگین۔“

”جو میں نے کہا ہے وہ اس تک پہنچا دو۔“ اس نے دو ٹوک کہہ کے بات ختم کر دی۔

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

وہ واپس آیا تو اشعر نے ناگواری سے اس کے قریب سرگوشی کی۔

”آپ اس لڑکی کا دفاع کیوں کر رہے ہیں؟ اس نے میری بہن کو مارا ہے۔“ اس نے ایڈم اور فاتح کی بات کا کوئی ٹکڑا سنا تھا۔

”تالیہ بے گناہ ہے۔ اس نے عصرہ کو نہیں مارا اور اگر تم اس بات پہ یقین نہیں کرنا چاہتے تو مجھ سے دوبارہ اس موضوع پہ بات نہ کرنا۔“ وہ کہہ کے آگے بڑھ گیا۔

اس نے تالیہ کی ای میل آج صبح پڑھی تھی۔ نہ پڑھتا تب بھی اسے یقین تھا کہ وہ لکس تالیہ نہیں بھیجتی۔ وہ کسی کی جان کبھی نہیں لے سکتی۔ ساری بات یہیں آ کے ختم ہو جاتی تھی۔

☆☆=====☆☆

لیانہ صابری کے گھر سے چند فرلانگ دور ایک ہینٹرز کمپنی کی دین کھڑی تھی۔ باہر سے دیکھ کے لگتا تھا وہ کسی گھر میں پینٹ کرنے آنے والوں کی دین ہے۔ البتہ اس کے اندر کا ماحول یکسر مختلف تھا۔ وہاں کرسیاں تھیں، قطار میں اسکرینز نصب تھیں جن کے آگے ٹکنیکی امور میں ماہر اینالسٹ بیٹھے تھے۔ اور ان کے پیچھے خالی جگہ پہ دولت ٹہل رہا تھا۔ بار بار وہ گھڑی دیکھتا۔

”گیارہ بج کے پانچ منٹ ہو گئے ہیں۔ لیانہ گھر سے نہیں نکلی۔ اب وہ پاسپورٹ کیسے دے گی؟“

”ہم اس کے گھر کے باہر رات سے موجود ہیں۔ وہ رات سے گھر سے نہیں نکلی۔“ ایک اینالسٹ نے گردن موڑ کے اسے بتایا تھا۔

”اس کے دونوں فونز آن ہیں اور ان کی لوکیشن گھر کے اندر کی ہی آرہی ہے۔ یعنی وہ اندر ہے۔“

”اسے اب تک باہر آ جانا چاہیے تھا۔“ دولت خود کلامی کے انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ شدید مضطرب نظر آتا تھا۔

”لوکے۔ ہم مزید انتظار نہیں کر سکتے۔“ وہ رکاوڑ کان میں لگے آ لے پہ اپنی اے ٹیم کو بزدور قوت لیانہ کے گھر کے اندر جانے اور اسے گرفتار کر کے لانے کا حکم دینے لگا۔

”سر.... گھر کلیمیر ہے۔“ دس منٹ بعد لیانہ کے گھر کا دروازہ توڑ کے داخل ہونے والا اہلکار بتا رہا تھا۔ ”اس کے دونوں فون

بیڈروم میں پڑے ہیں چار جنگ پہ۔ وہ فرار ہو چکی ہے۔“

دولت نے زور سے کرسی کو بوٹ سے ٹھوکر ماری۔ ”وہ کب فرار ہوئی؟ تم لوگ رات سے گھر کے چاروں طرف تھے۔“

”ہم تالیہ کے اس پیغام کے قریباً پچیس منٹ بعد یہاں پہنچے تھے۔ وہ اپنے فونز یہیں چھوڑ کے ہمارے آنے سے پہلے ہی

فرار ہو چکی ہوگی سر۔“ اس کا اینالسٹ مایوسی سے بتا رہا تھا۔

”لیکن اب وہ تالیہ کو پاسپورٹ کیسے دے گی؟“ ایک دوسرے اینالسٹ نے کہا تو دولت چونکا۔ ٹھوکر مارنے سے اس کا ہیر

Downloaded from Paksociety.com

درو کرنے لگا تھا مگر اس ایک فخرے نے اسے سب بھلا دیا۔

”تالیہ مرا کو پاسپورٹ کیوں چاہیے تھا؟“

”ملک سے بھاگنے کے لیے سر!“

”اس نے پہلے سے ہنگامی صورتحال کا انتظام کیوں نہیں کیا؟ پاسپورٹ پیسے نئی شناختیں۔ اس کے پاس اس کا اپنا گوبیک

ہر وقت ہونا چاہیے تھا۔ ایک منٹ... وہ ریکارڈنگ... وہ دوبارہ چلاؤ۔“

وہ تیزی سے ماتحت کی کرسی کے قریب آیا اور جھک کے اس کی اسکرین پر جھانکا۔

ماتحت نے چند کیز پر پریس کیں تو رات والی کال کی ریکارڈنگ چلنے لگی۔ پہلے دولت نے اس ریکارڈنگ میں جس شے پر

سب سے زیادہ غور کیا تھا وہ تالیہ کی آواز تھی۔ بھنگی خوف سے لبریز آواز جس میں کپکپاہٹ تھی۔ ایک صیاد کو شکار کی ایسی آواز

سن کے لطف آتا تھا۔ وہ اس سے آگے کچھ نہیں دیکھ سکا تھا۔ مگر اب... اب وہ الفاظ سن رہا تھا.....

”تمہیں کوئی کچھ بھی کہے اس کی بات کا اعتبار نہیں کرنا۔“ تالیہ کی آواز اسپیکرز میں گونج رہی تھی۔ دولت نے بے دردی

سے اپنا لب کاٹا۔ (کیا اس کی باتوں کا وہی مطلب تھا جو وہ نظر آتا تھا؟)

”کاش میرے پاس وقت کی چابی ہوتی تو میں وقت میں تین چار ماہ آگے نکل جاتی۔.... جاپان....“

”کبھی ہم دوبارہ ضرور ملیں گے.... کسی اور زمانے میں.... کسی اور موسم میں.... سمندر کنارے پھولی کا شکار کرنے.... پرانے

وقتوں کی طرح.... ہم ضرور ملیں گے، داتن۔“

دولت ماتھے پر ہل ڈالے سیدھا ہوا۔ ”اس نے کہا.... وقت کی چابی۔“

ماتحت نے مڑ کے اسے دیکھا۔ ”سر آپ کو معلوم تو ہے۔ چے تالیہ کی تھیوری جو انہوں نے پراسیکیوٹر احمد نظام کو بتائی تھی کہ

وہ وقت میں پیچھے گئی تھیں اور....“

”اونہوں۔ پیچھے نہیں.... اس نے کہا وہ وقت میں آگے جانا چاہتی ہے۔“ وہ پہلوؤں پر ہاتھ جمائے کرسیوں کے پیچھے

ٹہلنے لگا۔

”اس نے لیا نہ کو پاسپورٹ کے لیے فون نہیں کیا تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ ہم کال ٹیپ کر رہے ہوں گے۔ اس کو مہج یہاں

نہیں آتا تھا۔“

”تو پھر اس نے یہ کیوں کیا؟“

”اگر ہم یہ کال نہ سنتے....“ مڑ کے گھور کے اینالسٹ کو دیکھا۔ ”اگر تم مجھے یہ کال نہ سنواتے تو میں اسی وقت لیا نہ صابری

Downloaded from Paksociety.com

کی گرفتاری کا حکم دے دیا تھا۔ میں تالیہ کے فرار کی خبر ہر جگہ چلانے جا رہا تھا مگر اس کال نے ہمیں روک دیا۔ دونوں کو موقع پہ پکڑنے کی خواہش نے ہمیں روک دیا۔ وہ لیا نہ کو بھاگنے کا وقت دے دے ہی تھی۔“

وہ جانتی تھی کہ دولت کا خواب کیا ہے۔ تالیہ کو خوفزدہ دیکھنا۔ کون دوسن نے اس کو ایک خواب دکھایا۔ ایک دلفریب سراب جس کے تعاقب نے اس کو جھانسنے دے ڈالا۔

”یعنی سر.... تالیہ مراد نے لیا نہ سے نہیں ملنا تھا؟“

اور اس سوال پہ ٹھٹھکتا ہوا دولت رکا۔ اسے ایک عجیب سا خیال آیا۔

”اونہوں۔ تالیہ کے پاس لیا نہ سے بدلے کے لیے بھی ایک نمبر تھا۔ اسے اس سے بات بھی کرنی تھی اور اسے خوف بھی تھا کہ پولیس اسے شپ کر رہی ہوگی۔ اس نے ایک تیر سے دو شکار کیے۔ وہ واقعی کال میں لیا نہ کو ملاقات کے لیے بلارہی تھی مگر کہاں؟“

وہ خود دو بارہ اسکرین تک آیا اور جھک کے کی پریس کی۔ ریکارڈنگ پھر سے چلنے لگی۔

”کاش میرے پاس وقت کی چابی ہوتی.... تو میں وقت میں تین چار ماہ آگے چلی جاتی۔ جاپان۔“

اس نے اسٹاپ کاٹن دیا اور دھیرے سے سیدھا ہوا۔ ”چار ماہ کے بعد جاپان میں کیا ہونا ہے؟“

”چار ماہ بعد؟“ اینالسٹ نے انگلیوں پہ حساب کیا۔ ”کچھ بھی نہیں۔ چار ماہ بعد اپریل ہے۔ سر۔ اور....“

بس اس ایک لمحے میں پزل میں سارے ٹکڑے اپنی جگہ پہ آن گئے۔

”ساکوراہامامی۔“ دولت بڑبڑایا۔ ”مارچ اپریل میں جاپان میں ساکوراہامامی شروع ہو جاتا ہے۔“

وین میں خاموشی چھا گئی۔ سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ دولت نے البتہ کراہ کے کپٹی چھوٹی تھی۔

”اسے جاپان نہیں جانا تھا۔“ دولت نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا۔ ”وہ اسے وی کیوب میں بلارہی تھی۔“

”وی کیوب؟ وہ جاپانی ریسٹوران؟“ ایک اہلکار نے چونک کے کہا۔

”ہاں کیونکہ اس نے کہا وہ لیا نہ کے ساتھ کچی مچھلی کا شکار کرنا چاہتی ہے۔“ اس نے تکلیف سے آنکھیں بند کیں۔

اینالسٹ نے بے اختیار سر پہ ہاتھ مارا۔

”آف کورس۔ وی کیوب دو چیزوں کے لیے مشہور ہے۔ سوٹی (کچی مچھلی کی ایک جاپانی ڈش) اور ہامامی۔ اس

ریسٹوران کے جاپانی مالک نے اس کو ہامامی کے رنگوں سے سجا رکھا ہے اور وہاں دیواروں پہ جاپان کے ہامامی کے مناظر

تھری ڈی پہ چلائے جاتے ہیں۔ وہاں جا کے لگتا ہے کہ....“

Downloaded from Paksociety.com

”کہ آپ وقت میں چار ماہ آگے جاپان میں چلے گئے ہیں اور آپ کے ارد گرد چیری بلاسم کے پھول گر رہے ہیں۔ ڈیم اسٹ۔“ دولت نے تلخی سے کہتے ہوئے دوبارہ کرسی کو ٹھوکر ماری۔ اب کے خالی کرسی اسٹ کے پر سے جا گری۔

”میں ابھی ایک ٹیم اس ریسٹوران بھیجتا ہوں۔“ ماتحت نے جلدی سے فون اٹھایا مگر دولت نے افسوس سے سانس بھری۔

”ضرور بھیجو مگر وہ کئی گھنٹے پہلے لیا نہ سے ملاقات کر کے وہاں سے روپوش ہو چکی ہوں گی۔ تالیہ مراد ہم سے ہمیشہ ایک قدم آگے رہتی ہے۔“

☆☆=====☆☆

چند گھنٹے قبل پچھلی رات میں واپس جاتے ہیں۔

داتن کے لیے پیغام ریکارڈ کروا کے تالیہ فون بوتھ سے نکلی سر پہ ہڈی راک کی آنسو پونچھے اور اندھیرے میں بس کی طرف بڑھ گئی۔

بس میں کھڑکی کے ساتھ بیٹھی تالیہ کی آنکھوں میں اب ساٹ سا تاثر تھا۔ وہ بار بار کلائی کی گھڑی دیکھتی تھی۔ اگر اس کا اندازہ درست تھا تو داتن آدھے گھنٹے تک دی کیوب پہنچ جائے گی۔ پولیس اگر کالز ٹیپ کر رہی تھی اور پیغام کوڈی کوڈ بھی کر لے تب بھی ان کے دی کیوب پہنچنے تک وہ دونوں وہاں سے جا چکی ہوں گی۔

کے ایل کے دل میں واقع یہ ریسٹوران اندر سے نیم اندھیرا تھا۔ ایک گول سا ہال جس کے وسط میں لکڑی کا جھونپڑا بیٹھا تھا۔ جھونپڑے کے اندر سنگ ایڑیا تھا۔

مدم موسیقی چل رہی تھی اور کھانا سرو کیا جا رہا تھا۔ دیوار پہ ایک پیسٹنگ لگی تھی۔ اس میں جاپان کی ایک سڑک کی تصویر تھی جس کے کنارے چیری بلاسم کے گلابی پھول گرے تھے۔

مارچ اپریل میں اس ریسٹوران میں ”ہانامی فلیورنگ“ شروع ہو جاتی تھی اور بوڑھا جاپانی مالک اس جگہ کو گلابی رنگوں سے سجا دیتا تھا۔ مگر ابھی چونکہ سرما تھا اس لیے یہاں ہانامی کی محض چند ایک نشانیاں موجود تھیں۔

”ساکھا“ جاپانی زبان میں ”چیری بلاسم“ کو کہتے ہیں۔ ایک نرم نازک سا پھول جو چیری کے ٹکڑے ختوں پہا کتا ہے۔ اس پھول کی عمر کم ہوتی ہے۔ یہ چند دن تک ختوں پہ رہتا ہے اور پھر گر جاتا ہے۔

جب یہ پھول گرتے ہیں تو جاپان کی سڑکوں کے کناروں پہ گلابی تھیں سی بچھ بچھ جاتی ہیں۔ مگر گرنے سے قبل.... چھ دن کے لئے جب ساکھا کے پھول ختوں پہ کھلے رہتے ہیں.... تو یہ منظر دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ جاپان میں فستروں اور کاروبار سے خاص چٹھی دی جاتی ہے.... سیاح دور دور سے آتے ہیں.... فیملیوں سارے کام چھوڑ کے باہر نکل آتی ہیں.... اور

Downloaded from Pakvociety.com

لوگ جگہ جگہ لگے چیری بلاسم کے دختوں کا نظارہ کرتے ہیں۔

کھلی ہڈیاں کھڑے ہو کے ان زرد نازک پھولوں سے لڑے دختوں کا نظارہ کرنا ”ہنامی“ کہلاتا ہے۔ جاپان میں یہ بہار کے ایک قومی تہوار کا وجہ رکھتا ہے۔ آہستہ آہستہ یہ کھدیا اور ملائیشیا جیسے دوسرے ملکوں میں بھی رائج ہو چکا تھا جہاں چیری بلاسم کم تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ مگر اصل ہنامی صرف جاپان میں ہوتا ہے۔ اس لیے ملائیشیا میں جاپان کا منظر نامہ کھینچنے کے لیے وی کیوب میں موسم بہار میں جاپان کے چار بڑے شیف جمع ہوتے ہیں اور وہ چند دن کے لیے یہاں خاص سوٹی تیار کرتے ہیں۔

ہنامی کی اصل روح جاپانی کھانے بالخصوص سوٹی کو کھاتے ہوئے چیری بلاسم کا نظارہ کرنے میں ہے۔ مگر یہ بس چند دن تک ہوتا ہے۔ پھر ختم اور سب معمول پر آ جاتا ہے۔

چیری بلاسم کے پھول گر گر کے سڑک کنارے مرجاتے ہیں اور دھشت خالی ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے چیری بلاسم حاصل جوانی کے زوال اور زندگی کی ناپائیداری کی برف اشارہ کرتی ہے۔ مگر کچھ لوگ کہتے ہیں کہ... یہ جوانی میں مرجانے کی علامت ہے۔

البتہ فی الحال بہار دور تھا۔ سرما ہر سو پھیلا تھا۔ اس لئے ریسٹوران قدرے خالی خالی سا تھا۔ ہال کے وسط میں بنے جھونپڑے میں بیٹھی تالیہ بار بار گھڑی دیکھتی تھی۔ سر پہ ہڈی گرا رکھا تھا اور انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ دفعتاً بوڑھا جاپانی شیف قریب آیا اور قبوے کی پیالی سامنے رکھی۔ پھر قریب جھکا اور سرگوشی کی۔ ”اگر پولیس لیانا نہ سے پہلے آ جائے تو تم مڑے بغیر کچن میں چلی آنا اور وہاں سے.....“ اشارہ کیا۔ تالیہ پھیکا سا مسکرائی اور تشکر میں سر ہلایا۔

”شکریہ ناؤ۔ اتنی جلدی پولیس یہاں نہیں آئے گی۔ لیکن اگر آگئی تو میں تمہیں مشکل میں نہیں ڈالوں گی۔“ ناؤ نے مسکرا کے اس لڑکی کا چہرہ دیکھا جو ہڈ کے ہالے میں زرد سا پڑ رہا تھا۔ پھر اس کی پیالی میں سنہری قبوے کی دھار ابل گئی۔

”کون تم؟ میں تو تمہیں جانتا ہی نہیں۔ اور سی سی ٹی وی صبح سے خراب پڑا ہے۔“ مسکرا کے وہ آگے بڑھ گیا۔

”میں نے سنا تھا تم مجھ سے ناراض ہو۔“

خفا سی آواز سنائی دی تو تالیہ مراد نے گہری سانس لے کر سراٹھایا۔

بھاری بھر کم سی گھنگریا لے ہالوں والی داتن ماتھے پہ بل ڈالے اس کے سامنے کرسی کھینچ رہی تھی۔

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

اتنے عرصے بعد اسے دیکھا تھا اور وہ اسے ویسی ہی لگی تھی۔

”میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ میں زندگی سے ناراض تھی۔“

داتن نے کہیاں میز پر رکھی اور آگے کوچکی سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ ”تالیہ..... تم نے سوچا بھی کیسے کہ ہم تمہیں اکیلا چھوڑ دیں گے؟ ہم واقعی سمجھے تھے کہ تم ٹھیک ہو۔ اور میں کچھ دوسرے کاموں میں پھنسی تھی۔ میری غلطی ہے کہ میں عصرہ کے دھوکے میں آ گئی اور سمجھی کہ.....“

”تم کمزور لگ رہی ہو۔ کیا ہوا ہے؟“

داتن لمبے بھر کوڑکی اور پھیکا سا مسکرائی۔ ”ڈائینٹک کر رہی ہوں۔ خود ہی تو کہتی تھیں کہ وزن کم کرو۔“

تالیہ ہلکے سے ہنس دی۔ آنکھوں میں پانی آ گیا۔

”مجھے تم سے گلہ نہیں ہے۔ ہر انسان کو اپنے آپ کو خود پہنا پڑتا ہے۔ میں اس سے بھی نکل آؤں گی۔ اور پہلے بھی....“

”تالیہ!“ اس نے بات کاٹ کے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔ ”ہم اس دلدل میں ساتھ گئے تھے۔ ساتھ ٹکلیں گے۔“

تمہارے پاس پاسپورٹ ہے نا؟ ہم آج ہی سنگاپور جا رہے ہیں۔“

”فہمیں داتن۔ صرف تم سنگاپور جا رہی ہو۔“ تالیہ کا انداز قطعی تھا۔

داتن نے ابرو بھنچے۔ ”ہمارا فرار کا پلان کئی سالوں سے وہی ہے تالیہ۔ پہلے سنگاپور اور وہاں سے دبئی۔ سب تیار ہے۔ ہم

ایک نئی زندگی شروع کر سکتے ہیں۔ میں اپنی فیملی کو وہاں بلا لوں گی اور.....“

”مگر میری فیملی یہیں ہے۔ ایلم یہاں ہے۔ وان فاتح یہاں ہیں۔ میں ملک نہیں چھوڑ سکتی۔ مجھے صرف.....“ وہ آگے کو

جھکی اور آواز مدھم کی۔ ”کے ایل میں ٹھہرنے کو جگہ چاہیے۔“

”کوئی سیف ہاؤس؟ ہاں ایک دو جگہ ہیں لیکن اگر پولیس کو علم ہو گیا تو.....“

”میں اپنی حفاظت خود کر سکتی ہوں داتن!“

بوڑھا تاؤ پھر سے ان کے قریب آیا اور پوچھا۔ ”کیا تم لوگ سوٹی کھاؤ گی؟“

”فہمیں تاؤ۔“ تالیہ نے ہاتھ سے اسے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ اس وقت کچھ بھی نہیں کھا سکتی تھی۔ خود کو بہادر بنا ہر کرنے

کے باوجود اس کی رنگت زرد پڑتی جا رہی تھی۔ اور وہ بار بار اضطراب سے انگلیاں مروڑتی تھی۔

”میں تمہیں یہاں چھوڑ کے نہیں جاسکتی تالیہ۔“ داتن فکر مندی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ تالیہ اداسی سے مسکرائی۔

”میں نے عصرہ کو نہیں مارا۔ مگر میں بھاگ نہیں سکتی۔ صرف چھپنا چاہتی ہوں۔ کچھ دن کے لیے۔“

Downloaded from Paksociety.com

”اور فاتح؟“

”وہ جانتے ہیں کہ میں بے گناہ ہوں۔ مگر مجھے نہیں معلوم وہ میرے لئے کچھ کر سکیں گے یا نہیں۔“ اس کے انداز میں شک تھا۔ داتن نے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا اور سنجیدگی سے بولی۔

”مجھے دان فاتح سے بہت سی باتوں پہ اختلاف ہے مگر تم اپنے دل سے یہ بے یقینی نکال دو تاہ کہ وہ تمہیں پھر سے اکیلا چھوڑ دیں گے۔ ہم تینوں تمہارے ساتھ ہیں اور تمہارے لئے ہر حد تک جائیں گے۔“

تاہ کی داتن پہ جی لگا ہیں بھینکنے لگیں۔

”اگر میں اچھائی کا راستہ نہ اپناتی تو یہ سب میرے ساتھ نہ ہوتا۔ میں برائی کے راستے پہ رہتی تو چھپی رہتی۔“

”نہیں تاہ... میں ہمیشہ کہتی تھی کہ انسان اس راستے کو ترک نہیں کر سکتا مگر میں غلط تھی۔ انسان سب کر سکتا ہے۔ تم نے درست کیا جو کیا۔“

وہ اعتراف کر رہی تھی مگر تاہ نے نفی میں سر ہلایا۔ اس کی آنکھوں میں زخمی سا تاثر تھا۔

”کیا فائدہ ہوا سب ترک کرنے کا؟ مجھے ایسے جرم میں پھنسا یا جا رہا ہے جو میں نے کیا ہی نہیں ہے۔ میں سمجھتی تھی کہ انسان اچھے راستے پہ آجائے تو دوسرے انسان بھی اس کی مدد کرتے ہیں مگر اب داتن...“ اس نے ارد گرد دیکھا۔ ”اب مجھے اس دنیا اور اس کے انسانوں کے اندر کی اچھائی سے امید ختم ہوتی جا رہی ہے۔“

لیانہ نے اسے کبھی یوں بے بس اور مایوس نہیں دیکھا تھا۔ وہ بار بار لب کاٹ رہی تھی۔ کچھ گردن کی پشت کو ہتھیلی سے دباتی۔ کبھی میز پہ ناخن درگڑتی۔

داتن دھیرے سے پیچھے ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

”تاہ... کوئی بھی ہمت ہار سکتا ہے۔ مگر تم نہیں۔“

”میری زندگی میں ایک کے بعد ایک مسئلہ شروع ہو جاتا ہے۔ میں اب ان مسئلوں سے ایک ہی دفعہ چھٹکارا پانا چاہتی ہوں۔“ پھر اس نے سر ہاتھوں میں گرا دیا۔ ”مگر مجھے نہیں معلوم کہ میں کیا کروں۔ میرے پاس کوئی پلان نہیں ہے۔“

”میرے ساتھ سنگاپور چلو۔“

”نہیں۔“

تاہ مراد نے سر اٹھایا۔ وہ جھونپڑے کے اندر بیٹھی تھی۔ سامنے داتن تھی۔ دونوں کے قبوے کی پالیاں لمبا لب بھری تھیں۔ اسی پل تاؤ نے رستوران کی بتیاں مدھم کر دی تھیں۔

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

مرکزی دیوار ساری کی ساری اسکرین بن گئی تھی اور اس پہ ایک منظر چلنے لگا تھا۔

ایک طویل سڑک کا کنارہ.... وہاں اسگے ڈھیروں درختوں کی قطار.... ہلکی چلتی ہوا.... اور درختوں سے گرتے چیری بلاسم کے گلابی اور سفید پھول.... کوئی مدھم سرور میں بیا نو بج رہا تھا.... دیوار پہ نظر آتی سڑک کے کنارے پھولوں سے بھرتے جا رہے تھے....

تالیہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ”تم..... تم ٹھیک ہو؟“

اس کے سوال نے لیا نہ صابری کو چوٹا کیا تھا۔ وہ قدرے پیچھے کو ہوئی۔

”مجھے کیا ہوا ہے؟“ سامنے اوپن کچن کے کاؤنٹر پہ کھڑا تاؤ سوٹی بنا تا نظر آ رہا تھا۔ فضا میں جھینگے تلنے کی مہک بسی تھی۔

”تمہارے ہال پتکے اور کم لگتے ہیں۔ تم ہیر ایکسٹینشن استعمال کر رہی ہو۔ کیوں؟“ نرمی سے پوچھا۔

”کیٹو کر رہی ہوں۔ اس سے ہال جھڑ جاتے ہیں۔ میں نہیں چاہتی تھی تمہیں پتہ چلے۔ مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟“

تالیہ نے موبائل کی اسکرین اس کے سامنے کی۔ اس پہ ان تینوں کی سیٹھی نظر آ رہی تھی۔ کونے میں میز پر رکھی دوا کی بوتل کو اس نے زوم کر رکھا تھا۔

”یہ کینسر کی دوا ہے۔ اور یہ بوتل تمہاری ہے۔ تم کینسر کی دوا کیوں لے رہی ہو؟“

چیری بلاسم کے رنگوں سے بچہ نیم روشن جھونپڑے میں خاموشی چھا گئی۔ بیا نو جیسے رک گیا۔ جھینگے تلنے کا شور چپ ہو گیا۔

”میں سچ سننا چاہتی ہوں واٹن۔ تم بیمار ہونا۔ اور تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟“ وہ دکھ سے پوچھ رہی تھی۔ واٹن نے قبوے کا

بیالہ اٹھایا اور لبوں سے لگایا۔ پھر سنجیدگی سے اسے دیکھ کے بولی۔

”تم سن کے ہرٹ ہوگی۔ اسی لیے میں نے تم سے چھپایا۔ کیا تم واقعی سننا چاہتی ہو؟“

بیا نو کی آواز پھر سے تیز ہو گئی۔ کاؤنٹر پہ کھڑا تاؤ تیزی سے سوٹی کو رول میں لپیٹ رہا تھا۔ پھر اس نے چھرا اٹھایا اور ٹھک

ٹھک رول کے پیس کاٹنے لگا۔ ٹھک ٹھک ٹھک....

تالیہ اٹھی اور سنجیدگی سے محض اتنا ہی بولی۔ ”چینج آف پلان۔ مجھے ملا کہ جانا ہے۔ وہاں ایک جگہ ہے جہاں میں چھپ

سکتی ہوں۔ مجھے کے ایل سے آج رات نکلنے میں مدد دو۔ پھر تم سنگاپور چلی جانا۔“

”میرا ایک دوست روز فوڈ ٹرک کے ساتھ شہر سے باہر جاتا ہے۔ اگر ہم ابھی چلیں تو میں تمہیں اس کے ٹرک میں سوار کر

سکتی ہوں۔ اس کی پولیس سے جان پہچان ہے۔ وہ اس کو چیک نہیں کرتے۔“ واٹن بھی تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ البتہ وہ بار

بار فکر مندی سے تالیہ کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

Downloaded from Pakvociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”تم ٹھیک ہو؟“

”اگر انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے دوست کی جان ایک موذی مرض لینے والا ہے تو وہ کیسے ٹھیک رہ سکتا ہے؟“
داتن؟ اس نے بھنگی آنکھوں سے کہتے ہوئے ہڈ سر پہ گرائی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆=====☆☆

ملا کہ شہر کا وہ علاقہ رات کی تنہائی میں ویران پڑا تھا۔ کہیں کسی گھر کی کھڑی روشنی تھی تو کسی کی بیرونی جلی تھی۔ ورنہ سارے میں اندھیرا پھیلا تھا۔ فجر میں ابھی گھنٹہ پڑا تھا اور یہ روشنی سے پہلے والی تاریکی تھی جو رات کی ہویا کسی کی زندگی کی ہمیشہ تاریک ترین ہوتی ہے۔

نیلا ہٹ مائل سرمئی اینٹوں والی گلی کے ایک گھر کے سامنے وہ کھڑی تھی۔ گھر کے بیرونی دروازے اور گلی کے درمیان تین اسٹیپ تھے۔ وہ اسٹیپ عبور کر کے دروازے تک آئی اور آہستہ سے دستک دی۔ ہڈ سر کو ڈھانکے ہوئے تھا اس لیے دور سے وہ ایک ہیولہ سا نظر آتی تھی۔

ذوالکفلی نے دروازہ کھولا تو اسے دیکھ کے حیران رہ گیا۔ ”تم یہاں؟ میں نے سنا تھا کہ...“
تالیہ نے ہاتھ سے اشارہ کیا تو وہ خود بخود ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ تیزی سے اندر داخل ہوئی اور دروازہ بند کر دیا۔ پھر لاک سے سے متقل کیا۔ پھر ہڈا تاری اور گھر اسانس لیا۔ ”مجھے تمہاری مدد چاہیے۔“
”جانتا ہوں۔ یہ بھی کہ عصرہ محمود کے قتل کے الزام میں تمہاری تلاش جاری ہے۔“
وہ جو دروازے سے کمر نکائے کھڑی تھی ان الفاظ پہ اس کی آنکھوں میں ایک بے بس سا تاثر ابھرا۔
”ابھی تک یہ بات پبلک نہیں ہوئی۔ صبح جب وہ داتن اور مجھے گرفتار کرنے سے مایوس ہو جائیں گے تب اسے پبلک کر دیں گے۔“

”میرے اپنے تعلقات ہیں تالیہ۔ تم نے کھانا کھایا؟“
ساحر ناک سے ہنسی اڑاتے ہوئے بولا اور پھر اندر رہداری کی طرف بڑھ گیا۔ پھر محسوس کیا کہ وہ ابھی تک رکی ہوئی ہے۔ ذوالکفلی نے واپس مڑ کے اسے دیکھا۔ ”اندراؤ۔“

”گھر میں کوئی اور تو نہیں ہے؟ دیکھو میں اس وقت کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتی۔“
ذوالکفلی نے اس کے چہرے کو محسوس سے دیکھا جس کی رنگت اڑی اڑی سی تھی۔

”تم خوفزدہ ہو؟“

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”نہیں تو۔“ وہ تیزی سے بولی۔

”شہزادی تالیہ کو ذرا سی پولیس نے ڈرا دیا ہے۔“ وہ استہزایہ مسکرا کے آگے بڑھا تو تالیہ کے گال سرخ ہوئے۔ وہ تیزی سے اس کے پیچھے لپکی۔

”تالیہ کو کوئی اتنی آسانی سے نہیں ڈرا سکتا۔ میں بس.....“ لب کاٹتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

اس گھر میں مدھم زرد روشنیاں پھیلی تھیں جو اسے عجب پر اسرار سا تاثر دیتی تھیں۔ وہ دیوان خانے میں آئی اور نیچے چٹائی پہ بیٹھی تو پہلی نظر حیلہ پہ رکھی بوتلوں پہ پڑی۔ ایک اس مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر گئی۔

”وان فاتح کی بوتل سے چند بوموں کے سوا کچھ غائب نہیں ہوا۔ وہ ابھی تک اپنی یادداشت واپس نہیں حاصل کر سکا۔“ وہ انہی بوتلوں کو دیکھ رہی تھی جب ذوالکفلی ٹرے لیے اندر داخل ہوا۔ تالیہ چونکی۔ پھر بھاپ اڑاتے پیا لے کر دیکھ کے کندھے ڈھیلے چھوڑ دیے۔ وہ اس کے سامنے بیٹھا اور پیا لے کر دونوں کے درمیان چوکی پہ رکھ دیا۔ تالیہ نے جلدی سے اسے قریب کھسکایا۔ سوپ میں تیرتے رامن (نوڈلز) اس وقت شدید اشتہا انگیز لگ رہے تھے۔

”شکریہ۔“ وہ تیزی سے چاپ اسٹیکس میں بھر بھر کے نوڈلز کھانے لگی۔ گرم گرم مائع نے زبان جلا دی مگر اس نے ذرا سا وقفہ دیا اور پھر سے کھانے لگی۔ وہ کہیاں چوکی پہ رکھے اپنی چمکتی آنکھوں سے اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

”میں نے کبھی تمہیں اتنا خوفزدہ نہیں دیکھا۔“

تالیہ چپ چاپ کھاتی رہی۔

”تم نے عصرہ کو زہر دیا ہے کیا؟“

چوپ اسٹیکس والا ہاتھ منہ تک جاتے رک گیا۔ تالیہ کی آنکھوں میں بے یقینی ابھری۔

”تمہیں لگتا ہے میں کسی کو زہر دے سکتی ہوں؟“

”ہاں۔ دے سکتی ہو۔ لیکن صرف تب جب وہ انسان اس کا اہل ہو۔“

وہ چند لمحے لب بھنے ہرٹ سی ہو کے اسے دیکھتی رہی۔ پھر چاپ اسٹیکس نیچے رکھ دیں۔

”میں نے عصرہ کو نہیں مارا۔ مگر سب شہوت میرے خلاف جاتے ہیں۔ میں ملا بیٹھا نہیں چھوڑ سکتی اور میرے پاس چھپنے کے

لیے کوئی جگہ بھی نہیں ہے۔ پتہ نہیں میں تمہارے پاس کیوں آئی ہوں؟“ پھر وہ اٹھنے لگی۔ ”نہیں آنا چاہیے تھا۔“

”تالیہ..... بیٹھو..... ہم مل کے کوئی حل نکالتے ہیں۔“

”اگر تمہیں میری بے گناہی پہ یقین نہیں ہے تو باقی دنیا کو کیسے آئے گا؟“ وہ کھڑی ہوئی اور ہڈ سر پہ ڈال لی۔ پیروں میں

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

رکھا بیگ اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

”مجھے تمہاری مدد نہیں چاہیے۔ میرا کوئی دوست نہیں ہے۔“

”تالیہ.....“ اس نے پکارا مگر وہ تلخی سے کہتی ہوئی باہر جا رہی تھی۔

”جو دوست تھے ان کو کبھی میری بے گناہی کا یقین نہیں آئے گا۔ اور جس کو آئے گا اس کی عمر ختم ہونے والی ہے۔ میں

دوستوں کے معاملے میں بہت بد قسمت ہوں۔“ اور دروازے سے باہر نکل گئی۔

ملا کہ کا ساحل اس گھنے اندھیرے میں ویران پڑا تھا۔ چاند بادلوں میں چھپا تھا اور لہریں قدرے پرسکون تھیں۔ وہ ریت

پہ کھڑی تھی، ہڈ پیچھے گرا رکھی تھی اور چھوٹے ہال پونی میں مقید تھے۔ وہ خاموشی سے پانی کو دیکھ رہی تھی۔ لہریں لپک لپک کے

آتیں اس کے پیروں کو بھگو دیتیں اور واپس پلٹ جاتیں۔ وہ اپنی حد سے چاہنے کے باوجود نہیں بڑھ سکتی تھیں۔

وہ آہستہ آہستہ پانی میں قدم آگے بڑھانے لگی۔ اس کے چہرے پہ عجیب سی مایوسی تھی۔ دماغ جیسے کہیں دور الجھا تھا۔ غصے

پانی میں ڈوبنے لگے۔ وہ چلتی گئی۔ آگے..... اور آگے.....

”اب گھر جانے کا وقت ہے، پتھر تالیہ۔ اس سے پہلے کہ سورج نکلے اور تمہیں کوئی دیکھے۔“ کسی نے اس کو کہنی سے پکڑ

کے روکا تو تالیہ پتھر ہو گئی۔ پھر بے یقینی سے مڑی تو بوڑھا چاچا دو گر سامنے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں ویسی چمکتی ہوئی تھیں اور چہرہ

سپاٹ تھا۔

”تم..... میرے پیچھے آرہے تھے؟“ وہ بھونچکی رہ گئی تھی۔

”تم دوستوں کے معاملے میں بد قسمت نہیں ہو۔ تم ملا کہ کی شہزادی تالیہ ہو اور تم یوں مایوس ہو کے اس پانی میں قدم نہیں

رکھ سکتیں۔“ وہ درشتی سے بولا تو وہ چند لمحے کچھ بول نہ سکی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ریت پہ چلتے سڑک کی طرف جا رہے تھے۔

”تم ہمت کیسے کھوسکتی ہو؟ اتنی جلدی؟“

وہ سینے پہ بازو لیٹے کندھے اچکا کے بولی۔ ”میں..... سوچنے کے لیے یہاں آئی تھی۔ میں صرف پانی میں کھڑے ہونا

چاہتی تھی۔“

”تم پانی میں کھڑی نہیں ہو رہی تھیں تم آگے بڑھ رہی تھیں۔ بنا کچھ سوچے سمجھے۔ امداد دھند۔“ وہ اس کی طرف گھوما اور

انہوں سے دیکھا۔ وہ دوسری طرف دیکھنے لگی۔ ”کیا تمہارے سامنے اتنا بڑا پہاڑ ہے جس پہ تم چڑھ نہ سکو؟“

”اس پہاڑ کو عبور کرنے کے لیے کوئی سڑک نہیں ہے تو الٹکھلی؟“ وہ ایک دم دبا دبا سا چلتی۔ وہ دونوں آمنے سامنے ریت

Downloaded from Paksociety.com

پہ کھڑے تھے۔ سیاہ آسمان اور تاریک سمندر خاموشی سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

”تالیہ کے پاس تو ہمیشہ پلان ہوتا تھا۔“

”اب نہیں ہے۔ میرے پاس اب کچھ بھی نہیں ہے۔ سر چھپانے کو جگہ تک نہیں ہے۔ میرے دوست تک کھو گئے ہیں اور واٹن.....“ اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ ”واٹن کو کینسر ہے۔ وہ مر رہی ہے اور میں اس کو بچا بھی نہیں سکتی۔ میں ایسی زندگی نہیں گزارنا چاہتی جس میں مجھے خوف کے سایے تلے ہٹا پڑے۔ میں تنگ آ گئی ہوں۔“

”تو اپنے خوف کو شکست دو۔“

”میں نے پانچ دن قید میں کالے ہیں۔ قید میرا سب سے بڑا خوف ہے اور میں دوبارہ اس میں نہیں جاسکتی۔ میرے پاس چھپنے کے لیے بھی جگہ نہیں ہے۔ میں....“ اس نے پلٹ کے پانی کو دیکھا۔ ”میں اس سمندر میں چھپنے کے لیے جا رہی تھی۔ شاید یہ مجھے اپنے اندر پناہ دے دے۔“

”اگر میں نہ آتا تو....“

”اگر تم نہ آتے تب بھی میں واپس پلٹ جاتی۔ ڈوب کے مرنے میں سنا ہے بڑی تکلیف ہوتی ہے اور میں مزید تکلیف نہیں اٹھا سکتی۔“ وہ زخمی سا مسکرائی۔

”تمہیں سمندر کی پناہ کی ضرورت نہیں ہے۔ ابھی ملا کہ میں پناہ گائیں ختم نہیں ہوئیں۔“ وہ تلخی سے بولا اور اسے چلنے کا اشارہ کیا۔

فجر روشن ہو رہی تھی جب وہ دونوں واپس اس کے گھر میں داخل ہوئے۔ ذوالکفلی سیدھا راہداری میں آگے آیا اور کونے سے میٹ ہٹایا۔ وہاں ایک لکڑی کا تختہ تھا جو فرش کا حصہ لگتا تھا۔ اس نے احتیاط سے اسے اٹھایا تو نیچے ایک ٹریپ ڈور تھا۔ ذوالکفلی نے اسے کھولا اور سر اٹھا کے تالیہ کو دیکھا۔ وہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”یہ کیا ہے؟“

”یہ وہ جگہ ہے جہاں تک کوئی پولیس نہیں پہنچ سکتی۔ تم یہاں جتنا عرصہ چاہو رہ سکتی ہو۔ میں کسی کو ادھر داخل نہیں ہونے دیتا لیکن میں یہ بھی نہیں برداشت کر سکتا کہ تم سمندر میں پناہ ڈھونڈو۔“

تالیہ ایک قدم پیچھے کو ہٹی۔ اس کے چہرے پہ الجھن تھی۔ ”میں کسی قبر میں نہیں رہ سکتی۔ میرا سانس گھٹ جائے گا۔“

”کیا تمہارے پاس کوئی بہتر پناہ گاہ ہے؟ ہٹری تالیہ؟“ بوڑھا جاوگر پوچھ رہا تھا۔ اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

ٹریپ ڈور کے نیچے لکڑی کا ایک زینہ بنا تھا۔ وہ اسے عبور کر کے نیچے فرش پہ اتری تو اندھیرے میں اتنا معلوم ہوتا تھا کہ

Downloaded from Paksociety.com

وہ ایک طویل ہال ہے۔ دیوار پہ بٹن چمک رہے تھے۔ اس نے ایک بٹن دبایا تو مدھم مدھم روشنیاں جل اٹھیں اور سارے ہال کو روشن کر گئیں۔

وہ ہال اتنا وسیع تھا جتنا کہ اوپر موجود ذوالکفلی کا سارا گھر۔ وہاں قطار در قطار کتابوں کے ریک رکھے تھے اور ان میں پرانے چمڑے کی جلد والی کتابیں تھیں۔ وہ کتابوں کا ایک عظیم الشان مقبرہ تھا۔

”یہ سب کیا ہے؟“ وہ ہال کے دہانے پہ کھڑے ہوئے حیرت سے بولی۔ ذوالکفلی زینے اتر کے نیچے آ رہا تھا۔ سادگی سے کندھے اچکائے اور بتانے لگا،

”یہ ممنوعہ کتابیں ہیں۔ اکثر کا تعلق پمپور سے ہے اور باقی دیگر علوم کی ہیں۔ چادوان دیکھی طاقتیں.... علم طب.... یہ میرا ذخیرہ ہے۔ تمہارے کام کا نہیں ہے۔“ وہ اب دوریکس کے درمیان سے گزر کے ہال کے دوسرے سرے تک آیا اور اسے کونے میں موجود ایک کمرہ دکھانے لگا جس کے اندر ایک بیڈ تھا۔ ساتھ ایک چھوٹا کچن جس میں بجلی کا چولہا تھا۔ چھوٹا فریج، ہاتھروم، اور ایک اسٹڈی ٹیبل کرسی سمیت۔ گویا پراسرار لائبریری کے اندر ایک شخص کی رہائش کا سارا بندوبست موجود تھا۔

تالیہ قدم قدم آگے بڑھنے لگی۔ مدھم زد رویتیاں روشن ہوتی گئیں۔ ریکس میں تھی کتابیں خاموشی سے اس کو دیکھ رہی تھیں۔ ان میں گرد کی بو بھی تھی اور کوئی عجب سی ویرانی بھی۔

”تم یہاں آرام سے رہ سکتی ہو۔ تمہیں سمندر کی پناہ گاہ کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ مسکرا کے کہہ رہا تھا اور تالیہ بھی اداسی سے مسکرا دی تھی۔

کتابیں.... وہ ایک دفعہ پھر اس کی پناہ گاہ بن گئی تھیں۔ خاموش دوست۔ محرم راز۔ قید کی ساتھی ہوں۔

☆☆=====☆☆

تین دن بعد:-

دوپہر کے ہاؤسز میں بنے کتب خانے میں نیم اندھیرا پھیلا تھا۔ اس کے تین دن اسی حالت میں گزرے تھے جو فی الوقت نظر آرہی تھی۔ کتب خانے کی دیوار میں موجود شیشے کا دروازہ کھلا تھا اور وہ اندر کمرے میں سنگل بیڈ پہ نیم دراز تھی۔ پیٹز فری کانوں میں لگائے وہ موہائل دیکھ رہی تھی۔ ماتھے پہ ہل تھے اور آنکھوں میں بے بسی بھرا غصہ تھا۔ لباس وہی تھا۔ اور الجھے الجھے ہال پونی میں جکڑے تھے۔

موہائل پہ خبروں کا پلیٹن چل رہا تھا۔

Downloaded from Pakvociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”تالیہ مراد جو کہ وہ ان فاتح کی انکس چیف آف اسٹاف بھی رہ چکی ہیں اس کیس میں مرکزی suspect ہیں۔ پولیس کے مطابق سچے تالیہ اس وقت لاپتہ ہیں اور ان کی تلاش جاری ہے۔ اب ہم اس بارے میں اپنے پیٹلسٹ سے بات کریں گے۔“ نیوز لیٹر اب اسٹول پہ گھوم کے اسٹوڈیو میں موجود آدمی کی طرف متوجہ ہوئی۔

”آپ کے خیال میں سچے تالیہ کا عمرہ محمود کے قتل میں کیا motive ہو سکتا ہے؟“ ہتکرزا اپنے تئیں سارے فیصلے سنا کے لازم کو محرم تصور کر چکے تھے۔

دانشور تجزیہ نگار نے کھٹکھار کے گلا صاف کیا۔

”دیکھیں اگر یہ قتل تالیہ مراد نے کیا ہے تو صاف ظاہر ہے۔ عمرہ محمود بی این کی وائس چیئر پرسن تھیں۔ ان کی جگہ لینے کے لئے.....“

”میرا خیال ہے کسی ذاتی رقابت کی وجہ سے.....“ ایک کے بعد ایک پیٹلسٹ اپنی رائے کا اظہار کر رہا تھا۔ اس نے زور سے بٹن دبا کے ویڈیو بند کی۔ پھر پیچھے گئی تو سامنے ہی اشعر محمود کی ویڈیو کھل گئی۔ وہ اپنے آفس میں بیٹھا رپورٹرز سے بات کر رہا تھا۔

”ظاہر ہے میری بہن کی جان تالیہ مراد نے ہی لی ہے۔“ وہ رعونت اور برہمی سے کہہ رہا تھا۔ ”میں پولیس کو بتا چکا ہوں اور بار بار سب کو یاد کروا تا رہوں گا کہ عمرہ محمود نے خود ہمیں متحد دبا وہ ایک دکھائے تھے جو تالیہ ان کو بھیجتی تھی۔“ سرد انداز‘ تنفر بھرا لہجہ۔ تالیہ نے لب کاٹتے ہوئے آگے سواہیپ کیا۔ اگلی ویڈیو وہ ان فاتح کی تھی۔

وہ چند افراد کی معیت میں کار کی طرف جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ تیز ہوا سے اس کی ٹائی بار بار پیچھے کواڑتی۔ وہ ٹائی بون لگانا بھول گیا تھا۔ شاید کوئی یاد کروانے والا موجود نہیں تھا۔ چہرہ سپاٹ تھا مگر اسر وہ لگتا تھا۔

مائیک پکڑے رپورٹرز کا ہجوم اس کے سامنے اٹھے قدموں چلتا پیچھے کو آ رہا تھا۔ وہ سب کار پارکنگ کی طرف بڑھ رہے تھے۔

”سر.... میڈیکل رپورٹ کے مطابق آپ کے جسم سے بھی آرسینک ملا ہے مگر اس کی مقدار بے ضرر ہے۔ کیا یہ اس لئے ہے کہ آپ نے ایک کم تعداد میں کھائے تھے؟“

وہ کار کے قریب رکھا اور سپاٹ سے انداز میں رپورٹر کو دیکھا۔

”میں ongoing تفتیش کے بارے میں رائے نہیں دے سکتا۔ یہ پولیس کا کام ہے کہ وہ حقائق سامنے لائے۔“

”سر.... تالیہ مراد کا آپ کی بیوی کو مارنے کے پیچھے کیا مقصد ہو سکتا تھا؟“

Downloaded from Pakvociety.com

فاتح نے دروازے پہ ہاتھ رکھا سی ٹھنڈے تاثر کے ساتھ رپورٹر کو دیکھا۔

”یہ تالیہ نے نہیں کیا۔ پولیس اپنی نا اہلی چھپانے کے لئے ایک بے گناہ لڑکی کو مجرم بنانے کے پیش کر رہی ہے۔ اور اگر بالفرض وہ واقعی اس میں ملوث ہے تب بھی عدالت کے فیصلے تک ہم ملزم کو بے گناہ تصور کرتے ہیں۔ اس لڑکی کا میڈیا ٹرائل بند کر دیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔“ وہ برہم ہوا تھا۔ ایک رپورٹر نے پیچھے سے پکارا۔

”سرا اگر ایسا ہے تو تالیہ مراد سامنے آ کے اپنی بے گناہی ثابت کیوں نہیں کر دیتی؟ وہ روپوش کیوں ہیں؟“

وان فاتح نے ابرو اچکائے۔ ”ہمیں نہیں معلوم کون کس وقت کس مسئلے میں پھنسا ہو۔ مگر مجھے یقین ہے کہ وہ جلد ہی سامنے آ کے خود کو اس الزام سے بری کروالے گی۔“ اور ہاتھ کے خفی اشارے سے ”بس“ کہہ کے وہ کار میں بیٹھنے لگا۔

”سر.... آپ ان کے پاس رہے ہیں.... کیا انہوں نے آپ سے بھی رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی؟“ کسی نے سوال پھینکا تھا۔ فاتح نے سن لیا تھا مگر اس نے دروازہ بند کر دیا اور ڈرائیور کو چلنے کا اشارہ کر دیا۔ البتہ اس سوال پہ پہلی دفعہ اس کے سپاٹ تاثرات میں دراڑ سی دکھائی دی تھی۔ جیسے وہ ڈسٹرب ہوا ہو۔ جیسے وہ اداس ہوا ہو۔ اور پھر کار آگے بڑھ گئی اور ویڈیو ختم ہو گئی۔ تالیہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ اس نے فون رکھا اور ہینڈ فری کانوں سے نوچ اتارے۔ وہ گزشتہ تین دن سے خبریں ہی دیکھ رہی تھی۔ سارا ملک اس کو قاتل کہہ رہا تھا۔ نیلو فر کی کتاب سے بنائی چند دن کی شہرت مامد پڑ گئی تھی اور اب وہ عصرہ محمود کی قاتل اور ایک Fugitive بن کے رہ گئی تھی۔

اس نے گھٹنوں کے گرد ہارڈ لپیٹ لئے اور تھوڑی ان پہ جمادی۔ جیسے اس کتابوں کے اس دوران مقبرے میں وہ خود کو اپنے ہی گلے سے لگائے محفوظ کرنا چاہ رہی ہو۔

خوف اور بے بسی بڑھتی جا رہی تھی۔ مگر ایک بات طے تھی۔ تالیہ کبھی دوبارہ پولیس کی پہنچ میں نہیں جائے گی۔ وہ اب کسی نئی جیل کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ ان کے ہاتھ دوبارہ نہیں آ سکتی تھی۔

سامنے رکھے بک ہیلف پہ ایک کتاب ترغیب دلانے والے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے گہرے نیلے سرورق پہ سفید سفید الفاظ جگمگا رہے تھے۔

”خودکشی کرنے کے لئے تین Painless زہر۔“

وہ چپ چاپ اس کتاب کو دیکھنے لگی۔

کوئی شک نہیں کہ وہ کتابیں ممنوعہ تھیں۔ اس نے آنکھیں بند کیں تو عجم سے اس دن کی یادان کے سامنے آنکھری۔

وہ ریستوران کے مصنوعی جھونپڑے میں داتن کے سامنے بیٹھی تھی....

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

اسی پلٹاؤ نے جتیاں مدھم کی تھیں.... اور خالی دیوار پہ ایک منظر چلنے لگا تھا.....

سڑک کنارے درختوں کی قطار..... اور نیچے گھاس پہ گلابی سفید چیری بلاسم کے پھولوں کی چمکی تھیں.... ہوا چل رہی تھی اور پھول گرتے جا رہے تھے.....

”تم.... تم ٹھیک ہو؟“

فضا میں جھینگے تلنے کی مہک تھی۔ اور شوشو کا شور بھی۔ قہوے سے بھری پیالیوں سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔

”یہ کینسر کی دوا ہے اور یہ بوتل تمہاری ہے۔ تم کینسر کی دوا کیوں لے رہی ہو؟“

پیانورک گیا۔ جھینگے تلنے کا شور خاموش ہو گیا۔

”تم سن کے ہرٹ ہو گی۔ اسی لیے میں نے تم سے چھپایا۔“

پیانو تیز ہو گیا۔ کاؤنٹر پہ کھڑا تاؤ ٹھک ٹھک سوٹی رول کو چھوڑے سے کاٹنے لگا۔ دیوار پہ ابھی تک پھول گرتے نظر آ رہے

تھے۔ اور سوٹی رول کٹنے کی آوازیں..... ٹھک ٹھک ٹھک.....

تالیہ نے آنکھیں کھولیں۔ وہ کتابوں کے مقبرے میں بیٹھی تھی اور اس کے سامنے رکھی وہ بنا درود کے مار دینے والی زہریلے

سنخوں کی کتاب تمسخر سے اسے دیکھ رہی تھی۔

بالآخر تالیہ نے ہاتھ بڑھایا اور دھڑکتے دل سے اس کتاب کو اٹھالیا۔ ایسا زہر جو درد نہ دے.... کیا بھی اس کا آخری راستہ

ہو سکتا تھا؟ آخری پناہ گاہ؟

☆☆=====☆☆

بی این کے آفس میں اس روز معمول کے کام جاری تھے۔ ایسے میں لفٹ کے دروازے کھلے اور وان فاتح کلکتا دکھائی دیا

تو اس کے ماتھے کے پل واضح تھے اور وہ شدید ناخوش لگتا تھا۔ گرے سوٹ میں ملبوس وہ بظاہر ورک ڈے کے لئے تیار لگ

رہا تھا مگر اس کا موڈ خراب معلوم ہوتا تھا۔ آج پھر راستے میں اس کو پورٹرز نے روک کے سوالوں کی بوچھاڑ کی تھی اور یہ سوال

اب اذیت دینے لگے تھے۔

وہ اپنے آفس کے قریب پہنچا تو سیکرٹری فوراً سے اٹھی۔

”آپ کی تائید کے مطابق ایڈم بن محمد کو میں نے بلوایا تھا۔ وہ اندر آپ کا انتظار کر رہا ہے۔“

فاتح نے بس صرف سر کو خفیف سی جنبش دی اور آگے بڑھ گیا۔

ایڈم اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ مرجھایا ہوا لگتا تھا۔

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

فاتح گھوم کے میز کے پیچھے آیا اور اپنی اونچی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے تشویش سے اسے دیکھا۔

”تمہیں معلوم ہے وہ کہاں ہے؟“ سارے سوال جواب بس ایک ہی انسان کے ہارے میں ہو سکتے تھے۔ نام لینے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔

”نہیں۔“ ایڈم نے فکر مندی سے نفی میں سر ہلایا۔ وہ جینز اور سفید شرٹ کے اوپر سیاہ کوٹ پہنے ہال جیل سے پیچھے کیے شاید کام کے لیے تیار ہوا تھا مگر فاتح کی کال نے اسے کام چھوڑ کے ادھر آنے پہ مجبور کیا تھا۔

”اور لیا نہ صابری؟“ فاتح منٹھیاں ہاہم ملانے میز پہ آگے ہو کے سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

”وہ ملک سے فرار ہو چکی ہیں۔ مجھے ان کی میل آئی تھی۔ سکیورٹی خدشات کے باعث اب ہم رابطہ نہیں کر سکتے۔“

تالیہ کے ہارے میں انہوں نے کچھ نہیں بتایا۔“ ایڈم رکا۔

”کیا آپ سے بھی چے تالیہ نے رابطہ نہیں کیا؟“ اس کے انداز میں جھجک تھی مگر یقین بھی تھا۔

”وہ گمراہی تھی۔“ فاتح پیچھے کو ہوا اور گہری سانس لی۔ پھر مائی کی ماٹ ڈھیلی کی۔

”کب؟“ ایڈم چونکا۔ وہ مختصر الفاظ میں بتانا گیا۔

”اس وقت عصرہ کی میت سامنے تھی اور سب اس پہ شک کر رہے تھے۔ اگر وہ میری چھت پھلانگ کے داخل ہوتی

دکھائی دیتی تو مجرم لگتی۔ اس کا وہاں سے بھاگ جانا ہی بہتر تھا۔ مگر....“ وہ ناخوشی سے کہہ رہا تھا۔ ”مگر وہ صبح واپس آ سکتی تھی

۔ اس کو چاہیے کہ وہ منظر عام پہ آجائے اور اپنی صفائی دے۔“

”وہ ایک دفعہ پولیس کی قید میں رہ چکی ہیں۔ وہ خوفزدہ ہیں۔“

”اس کا یوں بھاگنا اس کو مزید مجرم بنا رہا ہے ایڈم۔“ وہ غصے سے بلند آواز میں بولا۔

”وہ..... خوفزدہ ہیں؟ سر؟“ ایڈم نے بھی آواز اتنی ہی اونچی کی۔

چند لمحے کے لئے آفس میں تاؤ بھری خاموشی حائل ہو گئی۔ پھر فاتح نے بے بسی سے کندھے اچکائے۔

”میں اس کے لئے پریشان ہوں ایڈم۔“ آواز دھیمی کی۔ انگلیوں سے کپٹی دہائی۔ ”وہ اپنا دفاع نہیں کر رہی اور لوگ اس

کا میڈیا ٹرائل کیے جا رہے ہیں۔ اسے اپنے لئے لڑنا ہوگا۔ اس سب کو فیس کرنا ہوگا۔“

”چے تالیہ..... خوفزدہ ہیں؟“ ایڈم نے توڑ توڑ کے دہرایا۔

وان فاتح چند لمحے کے لیے اسے دیکھتا رہا۔ پھر لب ہلائے۔

”اپنی چے تالیہ سے کہو.... وہ واپس آجائے۔“

Downloaded from Paksociety.com

وقت چند صدیاں پیچھے چلا گیا تھا۔ وہ دونوں چائے خانے میں موجود تھے اور سفید کرتے والا غلام فاتح ماتھے پہ بل ڈالے کھد ہا تھا۔

”اچی شہزادی کو کہو سلطان سے دور رہے۔“

”تمہاری اس سے ملاقات ہو.... (فاتح کی آواز اسے ماضی سے کھینچ لائی۔ وہ سنبھل کے سننے لگا).... یا رابطہ ہو تو.... اس کو کہو کہ وہ گرفتاری دے دے۔ اگر وہ یوں چھپ کے بیٹھ جائے گی تو میں اس کی کوئی مدد نہیں کر پاؤں گا۔“

”وہ رابطہ نہیں کریں گی۔ وہ کوئی رسک نہیں لیں گی۔“

”تو تم اس سے رابطہ کرو۔ کوئی طریقہ تو ہو گا اسے ڈھونڈنے کا۔“

”سر وہ داتن سے رابطہ کریں گی۔ ان دونوں کے پاس ایک دوسرے تک پہنچنے کے طریقے ہوں گے۔ مگر مجھے انہوں نے کبھی نہیں بتایا کہ اگر وہ کھو جائیں تو انہیں کیسے ڈھونڈنا ہے۔ اگر مجھے پتہ ہوتا تو میں ان کو تب بھی ڈھونڈ لیتا جب وہ پولیس کی قید میں تھیں۔“

”ایڈم۔“ وہ آگے کو جھکا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ”میں تالیہ کو ایسے نہیں جانتا جیسے تم جانتے ہو۔ ہمارے تعلق میں کچھ چیزیں سنگ ہیں۔ جیسے کھو گئی ہوں۔“ وہ کہتے کہتے چپ ہوا۔ کچھ تھا جو بات بے بات کھو جانے کا احساس دلاتا تھا۔ ”میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں ایسی زندگی کا تصور نہیں کر سکتا جس میں وہ نہ ہو۔ وہ میرے لئے بہت اہم ہے۔ مگر تم.....“

اس نے ابرو اٹھا کے زور دے کر کہا۔ ”تم اس کو زیادہ جانتے ہو اور جو تم جانتے ہو وہ ہمیشہ تمہاری مدد کرتا ہے۔“

اس بات پہ ایڈم بن محمد مسکرا دیا۔ بہت کچھ یاد آیا تھا جو ان فاتح کو یاد نہیں آتا تھا۔

”اس کو ڈھونڈو اور اس سے کہو کہ وہ مجھ سے ملے۔“

”کیا آپ ان کے خوف دور کر پائیں گے؟“

”میں کوشش کرنا چاہتا ہوں۔“

چند لمحے کے لئے خاموشی چھا گئی۔ پھر ایڈم نے سر ہلایا اور ایک فائل میز پر رکھی۔ مگر اسے کھولا نہیں۔ اس پہ ہاتھ رکھے رکھوہ پوچھنے لگا۔

”آپ کے بچے.... وہ ٹھیک ہیں سر؟“

”کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس ماحول میں جہاں ٹی وی پہ بار بار ان کی ماں کے قتل کی باتیں دہرائی جائیں۔“

Downloaded from Paksociety.com

”آپ کو انہیں اس ماحول سے دور کرنا ہوگا۔“

”اشعر بھی یہی کہہ رہا ہے کہ ہم بچوں کو کچھ عرصے کے لئے عصمرہ کی کزن کے پاس امریکہ بھیج دیں۔ میرے لئے یہ ایک بہت مشکل فیصلہ ہوگا، مگر پھر..... (گہری سانس لی۔) کسی نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ نہ مدد کی آسان ہوگی۔“

پھر اس نے قلم اٹھایا اور ایک کاغذ پہ پتہ لکھا۔

”یہ آدمی ذوالکفلی..... ملا کہ میں رہتا ہے۔ شاید یہ تالیہ کے بارے میں کچھ جانتا ہو۔“

ایڈم نے چٹ جیب میں رکھ لی مگر اٹھا نہیں۔ چند لمحے سوچتا رہا۔ فاتح نے بے اختیار گھڑی کو دیکھا۔ ”کچھ اور؟“

”میں نے سچے تالیہ کو چار دن دیے تھے کہ وہ اس آف شور کمپنی کیس میں آپ کی بے گناہی ثابت کر دیں۔“

فاتح نے بےزاری سے سر جھٹکا۔ ”میں بتا چکا ہوں، میری کوئی آف شور کمپنی نہیں ہے۔“

”وہ چار دن کل تمام ہو گئے تھے۔“ وہ سنے بغیر کہہ رہا تھا۔ ”آج مجھے جن پیپرز کو دے لیں گے کہ ان میں آپ کے دستخط شدہ

کاغذات بھی شامل ہیں۔ یہ اور بینکل ڈاکومنٹس ہیں، سر۔ یہ کوئی فوٹو کاپی نہیں ہے۔“ اس نے فائل کھول کے فاتح کی طرف دھکیلی۔ (اس سے پہلے اس نے فاتح کو فوٹو کاپی دکھائی تھی جس کو اس نے پچھاننے سے انکار کر دیا تھا۔)

”میں نے ان کی تصدیق دوبارہ اپنے سروس سے مانگی تو اس نے مجھے ہانگ کانگ سے اپنے آفس کی آرکائیوز سے یہ

اور بینکل فائل لا کر دی ہے۔ پہلے صرف فوٹو کاپی تھی..... آپ اس کو نہیں پچھانتے تھے.... مگر اس کو دیکھیں اور بتائیں۔ یہ تین

کاغذ آپ نے خود سائن کیے تھے؟“

وہ اس کے چہرے کو فور سے دیکھ کے پوچھ رہا تھا۔

فاتح نے فائل کھولی۔ اندر تین کاغذ اسٹیکل سے بن اپ کیے گئے تھے۔ ان تینوں کے نیچے فاتح کے دستخط تھے۔

”میں تمہیں بتا چکا ہوں یہ میں نے نہیں کیے نہ میں ان کاغذات کو پچھانتا ہوں اور.....“ وہ قدرے ناگواری سے صنفہ پلٹتے

ہوئے کہہ رہا تھا جب وہ ٹھہرا۔

پہلے اور دوسرے صنفے کے درمیان جہاں اسٹیکل کی بن لگی تھی وہاں کچھ پھنسا تھا۔ فاتح نے آہستہ سے بن جدا کی۔

ایک منہمی سی مفید شے آزاد ہوئی۔

اس نے دو انگلیوں میں اسے اٹھایا۔

وہ گلابی رنگ کے چیری بلاسم کی ایک جی تھی۔

شک، مرجھائی ہوئی، ان کاغذوں میں برسوں سے امر ہوئی۔

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

اس نے جی کواد پر لے جا کے دیکھا۔ آنکھیں چھوٹی ہوئیں۔ ایڈم غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”آپ کو کچھ یاد آیا سر؟“ اس کے اندر جوش سا بھرا۔

فاتح نے جی رکھی۔ اور ان کاغذات کو الگ الگ کر کے دیکھا۔ پھر دستخط کی جگہ پہ انگلی پھیری۔ اور اوپر پرنٹ شدہ عبارتیں پڑھیں۔ ایڈم اس کے ایک ایک تاثر کو دیکھ رہا تھا۔

”ایسے لگتا ہے آپ دستخط کو پہچانتے ہیں مگر..... عبارتوں کو نہیں۔ کیا کسی نے کورے کاغذ پہ آپ سے دستخط کروائے تھے؟“

وان فاتح اس کی بات نہیں سن رہا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک اور منظر چلنے لگا تھا.....

وہ سا کورا ہانسی کے دن تھے.....

جاپان کی سڑک تھی.... گلابی اور سفید روئی کے گالوں جیسے چیری بلاسم ہر طرف گرے تھے۔

وہ لمبا کوٹ اور مفلر پہنے ٹھنڈی ہوا میں بچہ بیٹھا تھا۔ وہ نظریں جھکا کے اخبار پڑھتا، دوسرے ہاتھ سے کافی اٹھا کے پیتا،

پھر واپس بچہ رکھ دیتا۔

یکدم سکے کھلنے کی سی آواز آئی۔ فاتح نے نظریں اٹھائیں۔

سامنے ایک کپل چلا آ رہا تھا جن کے ساتھ ایک پانچ چھ سال کا بچہ تھا۔ اس کے ہاتھ میں گلابی کاٹن کینڈی تھی اور وہ اس کی اسٹک کو خوشی سے ہاتھ میں گھما رہا تھا۔

فاتح کی نظریں اس کے قدموں پہ جم گئیں۔ اس کے جوگز میں سکے لگے تھے۔ وہ چلنے سے کھلتے تھے۔ اس نے واپس نظریں اخبار پہ جھکا لیں۔

بچہ کے پیچھے بڑا سا چیری بلاسم کا درخت تھا۔ اس کے عقب سے عصرہ نکل کے قریب آئی اور اس کے ساتھ بیٹھی۔ اس کے بیٹھنے پہ وہ چونکا۔ کافی کا کپ اٹھالیا۔ بے دھیانی میں ذرا سی کافی چھلکی۔ گھاس پہ گرتے ایک سفید پھول کو وہ داغدار کر گئی۔ ہاتھ پہ بھی گرم گرم قطرے گرے تھے۔ عصرہ نے اوہو کہتے ہوئے ٹشو سے اس کا ہاتھ صاف کیا۔

”تھینکس۔“ اس نے کافی کا گھونٹ بھرا۔ پھر عصرہ کو دیکھا۔ وہ مسکرا کے ہچکچاہٹ سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ہوا سے اس کے بال اڑ رہے تھے۔ اس کے ہاتھوں میں ایک فولڈر تھا۔

”مجھے تم سے کچھ مانگنا ہے۔ اور تم انکار نہیں کرو گے۔“ وہ نرمی بھری قطعیت سے کہہ رہی تھی۔

”کہو۔“ ہوا کا جھونکا آیا اور درخت سے ڈھیر سارے پھول نیچے آن گرے۔ کچھ عصرہ کے بالوں اور کندھوں پہ ٹھہر گئے۔

کچھ فاتح کے مفلر پہ۔

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”میں ایک کانڈ پہ تمہارے سائن لینا چاہتی ہوں۔ بغیر کوئی سوال کیے تم ان پہ سائن کر دو گے کیا؟“

فاتح نے اچنبھے سے فولڈر کو دیکھا۔ ”اس میں کیا ہے۔“

”کچھ بھی نہیں۔“ وہ مسکرائی۔ ”اگر بتایا تو تم لمبی بحث کرو گے۔ بس بتا سوال کے سائن کر دو۔ میری بات مان لو۔“

”ہلینک ڈاکومنٹ پہ سائن؟“

”تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے؟“ اس نے مان سے فاتح کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ ”کیا میں کوئی ایسا کام کر سکتی ہوں جو

ہماری فیملی کے لیے خطرہ بنے؟“

اس کے تینے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ وہ مسکرا دیا۔

”ٹین دو۔“ ہاتھ بڑھایا تو عصرہ نے مسکرا کے ٹین اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے ٹین پکڑا اور فولڈر کھولنے لگا۔ اس میں

تین کانڈ تھے اور وہ اسٹینچل نہیں ہوئے تھے۔

ہوا کا ایک سروچھوٹا آیا اور کانڈ پھڑپھڑائے۔ ساتھ ہی بہت سے پھول چھم سے نیچے آن گرے۔ کانڈ پتیوں سے گلابی

ہو گیا۔

”آپ کو یاد ہے.... ہے نا؟“ ایڈم کی آواز پہ وہ چھوٹا۔ وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ سائنس روکے۔ پل بھر میں فاتح واپس

اپنے آفس میں آ گیا۔

”کسی نے آپ کو یہ کانڈ سائن کرنے کو دیے تھے کیا؟“ ایڈم اندازہ لگا رہا تھا۔

فاتح نے ابرو اچکائے اور قائل بند کر کے اس کی طرف بڑھائی۔

”میں نے کہا نا“ میں اس عبارت کو نہیں پہچانتا۔“ انداز خشک ہو گیا۔

”کیونکہ جب آپ نے دستخط کیے تو عبارت لکھی ہی نہیں گئی تھی۔ آپ کو ہلینک کانڈات دیے گئے تھے۔“ وہ رکا۔ ”عصرہ

نیگم..... انہوں نے بتائی تھی یہ کمپنی رائٹ؟“

”میری بیوی مر چکی ہے۔ اس کو اس معاملے میں مت گھسیٹو۔“ اس کا لہجہ ایک دم سخت ہو گیا، مگر ایڈم کو جیسے سارا معاملہ سمجھ

آ رہا تھا۔

”سر..... آپ مجرم نہیں ہیں کیونکہ آپ کو نہیں معلوم تھا ان میں کیا ہے۔ مگر سزا عصرہ آپ کو ایسے سکیٹڈل میں پھنسا کے چلی

گئی ہیں جو آپ کا کیریئر برباد کر سکتا ہے۔“

”میں نے کہا نا“ مجھے یہ کانڈ یا نہیں ہیں۔ تم نے ان کو لیک کرنا ہے، کر دو۔ میرا واحد کنسرن فی الوقت تالیہ ہے۔ اس کو

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

ڈھونڈنا مت بھولنا۔“ ایڈم گہری سانس لے کر اٹھا۔

”یعنی یہ کاغذ سچے تھے۔ میں درست تھا۔ آئی ایم سوری سر۔ مگر مجھے ان کو عوام کے حوالے کرنا ہوگا۔ پورا سچ بولنا بھی آپ نے ہی مجھے سکھایا تھا۔“

فاتح ماتھے پہ بل ڈالے اسے دیکھے گیا۔ وہ اب مڑ کے دروازے کی طرف جا رہا تھا۔ وہ آف شور کمپنی اس کے دستخط سے بنی تھی مگر فاتح کے کسی ٹیکس ریٹرن یا الیکشن کے کاغذات نہ مزدگی میں اس کمپنی کا کوئی ذکر نہیں تھا جو کہ ایک جرم تھا۔

ہر امیدوار کو الیکشن لڑتے وقت اپنی ہر کمپنی، گھریز میں، بینک اکاؤنٹ وغیرہ ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ اسے ”اثاثہ جات ظاہر کرنا“ کہتے ہیں۔ یوں عوام خود دیکھ سکتے ہیں کہ یہ پہلے کتنا امیر تھا اور اب کتنا امیر ہے۔ تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ کوئی نا جائز پیسا تو نہیں بنا رہا۔ یوں اس کے الیکشن سے پہلے اور بعد کے اثاثوں میں زمین، آسمان کا فرق آجائے گا۔ سیاستدانوں کو بالخصوص ہر سال ٹیکس فائل کرتے وقت بھی اپنے اثاثے دکھانے ہوتے ہیں تاکہ ان کی کریڈیٹ بیلٹی شفاف رہے۔ آف شور کمپنی بنانا جرم نہیں تھا۔ اسے بنانے کے بعد چھپا لیا جرم تھا۔ اس پہ ٹیکس نہ دینا اور اس کو ظاہر نہ کرنا جرم تھا۔ اور فاتح کو معلوم تھا کہ وہ شدید مشکل میں گرفتار ہونے والا ہے۔

☆☆=====☆☆

کتابوں کے مقبرے میں دن رات یکساں تھے۔ کون سا پھر تھا، کیا وقت ہوا تھا، کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔ تالیہ اٹلیاں مروڑتی، بے چینی، بک ریکس کے درمیان ٹہل رہی تھی۔ ہڈ پیچھے گرائے، ہالوں کو گول بول ہاندھے وہ بے رونق، زرد چہرے کے ساتھ بار بار کتھنیوں کو چھوتی جیسے سوچ سوچ کے دماغ تھکنے لگا ہو۔

اس کے آپشنز کیا تھے؟ فرار کے کون سے راستے دستیاب تھے؟

تھکیوں سے اسے وہ ریک نظر آ رہا تھا جس میں نیلی جلد والی کتاب ہنوز اسے تسخیر سے دیکھ رہی تھی۔ اس روز تالیہ نے اسے اٹھانے کے سند لمحے بعد واپس رکھ دیا تھا مگر آج... آج لگتا تھا کہ کوئی راستہ نہیں بچا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس تک آئی اور دھڑکتے دل سے وہ کتاب نکالی۔

اس کے صفحے وقت گزرنے کے باعث بھر بھرے ہوئے تھے۔ ہاتھ لگانے سے کنارے ٹوٹنے لگتے تھے۔ اس نے کھڑے کھڑے احتیاط سے صفحے پلٹائے۔

”اگر تم زندگی سے مایوس ہو چکے ہو... اور ہر چیز تمہارے خلاف جا رہی ہے... اور تم مرنا چاہتے ہو تو مزید تکلیف کیوں

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

اٹھاتے ہو؟“

اس کی پلکیں بھیگنے لگیں۔ کتنی ظالم سطور تھیں وہ۔

”تم پہلے ہی بہت اذیت سہہ چکے ہو۔

اب خود کو ایسے طریقے سے فنا کرو جس میں خوشی ہو آرام ہو۔ اور تکلیف نہ ہو۔

جیسے تم ہادلوں میں اڑ رہے ہو۔

مناہد دے کرنا چاہتے ہو تو میں تمہیں اس کی تیاری کرنا سکھاتا ہوں۔

یہ میرے تین زہریں جو تمہاری جان ایسے لیں گے کہ تمہیں درد محسوس نہیں ہوگا۔

یوں جیسے مکھن سے ہال نکلتا ہے۔ یوں تمہاری روح.....“

اس نے جھر جھری لے کر کتاب زور سے بند کی۔ گرد ہا ہر کواڑی۔ اس نے جلدی سے اسے واپس رکھا اور اس کی طرف

پشت کر لی۔ کسی قدیم زمانے کے شکار باز کی لکھی یہ کتاب بہت ڈراؤنی تھی۔

اور جو خیال اس کے ذہن میں پنپ رہا تھا وہ زیادہ خوفناک تھا۔ ابھی اس کو ایسا کچھ نہیں سوچنا تھا۔ ابھی وہ اپنی اس زندگی

پہ give up نہیں کرے گی۔ اس کو مقابلہ کرنا تھا۔ سارے آپشن آزمانے ہوں گے۔

یہ کتاب اس کا آخری آپشن ہوگی۔ ابھی اس کا وقت نہیں آیا تھا۔

وہ ایک کونے میں دیوار سے کمر لکائے بیٹھ گئی اور موہاٹل کھولا۔ پھر چونگی۔

ایڈم کے نام سے ٹویٹر بھرا پڑا تھا۔ اس نے بنگا ریا ملا یو کا دوسرا حصہ۔ لیز کر دیا تھا اور اس میں وان فاتح کا نام بھی تھا۔

چار دن گزر چکے تھے۔ تالیہ نے کراہ کے آنکھیں بند کیں۔ ہر چیز اس کے اور اس کے عزیز لوگوں کے خلاف جارہی تھی۔

ایک دوست موت کے قریب ہو اور دوسرے کا سیاسی کیریئر برباد ہونے جا رہا ہو... تو ایسے میں کوئی راستہ کیسے نکل سکتا

تھا؟ اب وہ کیا کرے؟

☆☆=====☆☆

انگلی صبح کے ایل کے ہاسیوں کے لئے ایک نیا دن طلوع ہوئی تو بہت سے لوگوں کی زمدگیاں بدلنے لگیں۔

وان فاتح کی رہائش گاہ پہ وہ صبح ادا سی لائی تھی۔

وہ لاؤنج کی کھڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔ سوٹ ڈائی میں ملبوس وہ آفس کے لئے تیار تھا مگر ہا نہیں نکلا تھا۔ ماتھے پہ ہل ڈالے

وہ چبھتی نظروں سے ہا بردیکھ رہا تھا۔

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

WWW.PAKSOCIETY.COM

RSPK.PAKSOCIETY.COM

ONLINE LIBRARY

FOR PAKISTAN



PAKSOCIETY1



PAKSOCIETY

پورچ کے آگے چھوٹے گیٹ سے باہر کھڑے رپورٹرز کا ہجوم نظر آ رہا تھا۔ وہ رات سے یہیں تھے۔ وہ اس کے نکلنے کا انتظار کر رہے تھے۔ کل ایڈم کی کتاب ریلیز ہوئی تھی اور تب سے اب تک داب فالتح رپورٹرز کے ہاتھ نہیں آیا تھا۔ وہ اس کے گھر اور آفس کے سامنے ڈیرہ ڈال کے بیٹھ گئے تھے۔ وہ غصے میں تھے۔ وہ ہر سٹ تھے۔ صوفیہ تو ایسی ہی تھی مگر فالتح؟ اس نے بھی اپنی کمپنی چھپائی تھی؟ وہ اس کے منہ پہ اس کے سارے لیکچرز اس کے سارے بڑے بول دے مارنے کے منتظر تھے۔ وہ اس سے پوچھنا چاہتے تھے کہ اس نے اپنی آف شور کمپنی کیوں بنائی تھی اور کیوں چھپائی تھی؟ اور صوفیہ کے ساتھ ڈی بیٹ ہیں یا تک دہل کیوں دھوئی کیا تھا کاس کی کوئی چھپی ہوئی جائیداد نہیں ہے؟

”ڈیلڈ!“

آواز پہ وہ چوٹکا۔ سکندر لاؤنچ کے وسط میں کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پہ خوف و ہراس تھا۔

”اب ہم اسکول کیسے جائیں گے؟“

”اوہ سکندر!“ وہ اس کے قریب آیا اور بچوں کے بل نیچے بیٹھا۔ پھر اس کے دونوں ہاتھ تھامے اور اس کی خوفزدہ آنکھوں

میں جھانکا۔ ”تم میرے بیٹے ہو۔ تم بہت بہادر ہو۔“

”جولیانہ صبح سے رو رہی ہے۔ ٹی وی پہ سب کہہ رہے ہیں کہ آپ بھی اتنے ہی مجرم ہیں جتنی صوفیہ رطلن۔“ سکندر کی

آنکھیں بھینکنے لگیں۔ ”ڈیلڈ.... یہ سب کیا ہو رہا ہے؟“

”میری بات غور سے سنو سکندر۔“ وہ نرمی سے کہنے لگا۔ ”ہم فیملی ہیں اور فیملیز دوسروں کی باتوں پہ یقین کر کے کبھی آپس

میں لڑائیاں نہیں کرتیں۔ یہ سب جھوٹ بول رہے ہیں تمہارے باپ کے خلاف۔ میں نے یا تمہاری ماں نے کبھی کوئی ایسا غلط

کام نہیں کیا۔ تم جو سنو اس کو ذہن سے نکالتے جاؤ۔“

”ماما نے بھی نہیں کیا تھا نا یہ؟“ نہ جانے کیوں سکندر نے پوچھا تھا۔

”ہرگز نہیں۔“ وہ تیزی سے بولا۔ ”تمہاری ماں ایک بہت اچھی عورت تھی اور کوئی اس کے بارے میں جو بھی کہے تم ہمیشہ

یاد رکھو گے کہ وہ بہترین عورت تھی۔“ وہ جیسے بے چہن ہو گیا تھا۔

اس کے بچے ایک دفعہ اپنی ماں کو چپکے تھے۔ وہ دوسری دفعہ اسے کھونے کے متحمل نہیں ہو سکے تھے۔

”آج تم اسکول نہ جاؤ۔ آرام کرو۔ میں جولیانہ کو دیکھتا ہوں۔“ وہ سیدھا کھڑا ہوا اور موبائل نکالتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

جب وہ سکندر کی پہنچ سے دور ہو گیا تو اس نے کال ملا کے فون کان سے لگایا۔

”ایش.....“ اور گہری سانس لی۔

Downloaded from **Paksociety.com**

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”آہنگ..... یہ آپ نے کیا کر دیا ہے؟“ وہ گویا سر ہاتھوں میں دے بیٹھا تھا۔ میڈیا، سوشل میڈیا، ہر جگہ غم و غصے کا طوفان برپا تھا۔

”میں اس سب کا مقابلہ کر لوں گا۔ مگر بچے..... میں ان کو اس ماحول میں نہیں رکھ سکتا۔ وہ ذہنی مریض بن جائیں گے۔“ وہ شدید پریشان لگتا تھا۔

”ظاہر ہے۔ میں چار دن سے یہی کہہ رہا ہوں۔ خیر آپ فکر نہ کریں۔ میں آرہا ہوں آپ کی طرف اور میں آج ہی بچوں کو حرمت کا کا کے پاس ہا ہر بچہ جانے کا انتظام کرتا ہوں۔“ وہ رکا اور توقف سے بولا۔ ”میں بھی کچھ دن کے لئے ان کے ساتھ چلا جاؤں گا۔ وہ سیٹ ہو جائیں گے تو میں آ جاؤں گا۔“ قاتح کے لبوں پہ زخمی مسکراہٹ بکھر گئی۔

(اشعر بھی میڈیا کے سوالوں کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ قاتح کے دفاع میں جھوٹ بول کے اپنی کریڈیبلٹی خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یعنی اس سارے بکھیڑے میں وہ اکیلا ہی تھا۔ مگر خیر... فی الوقت اسے اشعر کے اس اقدام کی ضرورت تھی۔)

”تھینک یو ایش۔“

”اپنی ٹائم آہنگ۔“ پھر وہ رکا۔ ”مجھے معلوم ہے کہ یہ کمپنی آپ کی نہیں ہے۔ نہ آپ نے یہ بنائی ہوگی مگر.....“ وہ ہچکچایا۔ ”کیا کا کا نے آپ کے نام سے....“ وہ بھی اپنی بہن سے واقف تھا۔

”عصرہ نے کچھ نہیں کیا۔“ قاتح تیزی سے بولا۔ ”اور میں کسی کو اجازت نہیں دوں گا کہ وہ ایک مری ہوئی عورت کو اس معاملے میں گھسیٹے۔ تمہیں بھی نہیں۔“ اور موہا نل نیچے کرتے ہوئے زور سے سرخ ہٹن دہایا۔

پھر نائی درست کی اور جولیا نہ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اپنی بیٹی کو تسلی دے کر اسے ہا ہر جانا تھا اور صرف ایک کھٹ دینا تھا۔

اسے جھوٹ اور سچ دونوں سے احتراز کرنا تھا۔

”نو کمینٹس۔ میں کسی کی ٹویٹس یا آن لائن کتابوں پہ تبصرہ نہیں کر سکتا۔ نہ میرے پاس ایسے کاغذات کو نظر بھر کے دیکھنے کا وقت ہے۔ جب مجھے عدالت نوٹس سرو کرے اور کسی کورٹ میں بلایا جائے تب میں ان کو دیکھوں گا اور بتاؤں گا کہ ان کی حقیقت کیا ہے۔“

اسے یہ جواب دینا تھا۔ یہ جواب سب کو چپ کر دے گا۔ مگر زیادہ سے زیادہ دو دن تک۔ اور اس کے بعد؟

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

☆☆=====☆☆

وہ صبح ایڈم بن محمد کے لئے بھی کچھ نیلا لائی تھی۔

وہ تیار ہو کے باہر آمدے میں آیا تو اس کا باپ باغیچے میں کرسی ڈالے بیٹھا دھوپ سینکنا اخبار پڑھنے میں مصروف تھا۔ اس کے لبوں پہ خیر یہ مسکراہٹ تھی۔ ماں بھی کندھے کے ساتھ کھڑی جھک کے اخبار پہ جھانک رہی تھی۔ میز پہ چند دوسرے اخبار بھی رول ہوئے رکھے تھے۔

آج اخبارات ٹویٹر اور ٹی وی چینلوں پر صرف ایڈم بن محمد کا ذکر کر رہے تھے یا دان قاتح کا۔ اس نے دھوپ میں بیٹھے ان دونوں بوڑھوں کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا اور دبے قدموں دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ آہستہ سے نکلا اور باہر کھڑی اپنی کار کی طرف آیا۔ دروازے کے شیشے میں اپنا عکس نظر آیا تو وہ مسکرا دیا۔

کوٹ کے اندر ہائی ٹیک پہنے وہ ہلکی بڑھی شیو اور سلیپے سے کئے بالوں کے ساتھ کافی اچھا لگ رہا تھا۔ اس کے کندھوں کا سارا بوجھ اتر چکا تھا۔ اس نے سچائی کے ساتھ قوم کی امانت ان تک پہنچا دی تھی۔ اپنا فرض نبھا دیا تھا۔ دوست دشمن دونوں کو ایک پینا نے پہ رکھ کے فیصلہ کیا تھا اور وہ ایک دم بہت ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔

کار میں بیٹھنے سے پہلے دو تین محلے داروں نے اسے دیکھ کے مسکرا کے ہاتھ ہلائے تھے۔ وہ بھی مسکرا دیا تھا۔ وقت کتاب بدل گیا تھا۔ کہاں وہ ایک بزدل شخص تھا۔ کم اعتماد مستقبل سے پریشان مایوس سا ایڈم جس کو اپنا مستقبل تاریک نظر آتا تھا۔ اور کہاں۔۔۔۔۔ اس نے بیک مرر درست کیا اور مسکرا کے کار اشارٹ کی۔۔۔ اور کہاں یہ ایڈم تھا۔

پر اعتماد ڈنڈر بہاؤ۔ اس کا مستقبل روشن تھا۔ لوگ اس سے پیار کرتے تھے اور وہ اسی طرح اپنے ملک کی خدمت کرنا چاہتا تھا۔ اب کوئی اسے اس کے رنگ کی بنا پہ کسی جگہ سے نہیں نکال سکتا تھا۔ کوئی اسے کسی تمنے سے محروم نہیں رکھ سکتا تھا۔ اب کوئی ایڈم بن محمد کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

وہ بالآخر ایک آزاد انسان بن چکا تھا۔

جب اس نے یہ سوچا تو آٹھ بج کے اکیس منٹ تھے۔

کار کو چند بلاک دور لے جانے میں اسے سات منٹ لگے۔

ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے وہ مرکزی شاہراہ پہ کار ڈال رہا تھا اور عین اسی وقت۔۔۔۔۔ فضا تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی تھی۔

تڑتڑ چلتی اندھا دھند گولیاں کار کے شیشوں سے ٹکرائیں۔ چھناکے سے کانچ ٹوٹا۔ اس نے بیک لگانی چاہی مگر کار بے

قابو ہو گئی۔ وہ تیزی سے نیچے ہوا۔ گولیوں کی بو چھاڑ رک گئی مگر کار سنبھالتے سنبھالتے دائیں طرف ایک درخت میں جا لگی۔

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

رفتار کم تھی اس لئے اسے محض زور سے جھٹکا لگا۔ سیٹ پلیٹ اور انٹر بیگز نے بروقت اسے بچا لیا۔ اس نے ماتھا انٹر بیگ سے اٹھایا اور بے یقینی سے اطراف میں دیکھا۔

وڈ اسکرین پہ کالج ٹوٹنے کے باعث مکڑی کا جالہ سا ہنا تھا۔ سائیڈ شیشہ آدھا ٹوٹ چکا تھا اور کالج اس کے ہاتھوں پہ آگیا تھا۔ سوائے چند خراشوں کے بظاہر اسے کوئی چوٹ نہ آئی تھی۔..... مگر.....

اس کا سانس رک چکا تھا۔ لب ادا کھلے تھے جیسے وہ اس کا تالانہ جملے پہ دنگ رہ گیا ہو۔ موت کا خوف واپس آ گیا تھا جسے وہ دہا کے سلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

یہ سائن کے بندے نہیں تھے جو چند ٹھوکریں مار کے چلے گئے تھے۔ یہ اندھی گولیاں تھیں جو ایک دفعہ چوک گئی تھیں مگر ہر دفعہ نہیں چوکیں گی۔ یہ ڈرانے کے لئے بھی نہیں ماری گئی تھیں۔ اس نے کل صرف قاتح کا نام نہیں باہر نکالا تھا۔ اس نے بیسیوں طاقتور آدمیوں کے دوازا فشاء کیے تھے۔

یہ انتہائی ہوا تھا۔ اور یہ بہت دلخراش تھا۔

وہ گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ پونٹ سے دھواں نکل رہا تھا اور لوگ ارد گرد جمع ہو رہے تھے۔ کوئی اندر جھانک کے پوچھ رہا تھا کہ وہ ٹھیک ہے اور کوئی پولیس کو کال کر رہا تھا.... مگر وہ بس تیز تر سانس لے رہا تھا۔ وہ ٹھیک نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ ٹھیک نہیں تھا۔

وہ ڈر گیا تھا۔ سہم چکا تھا۔ اس کا سارا اعتماد چکنا چور ہو چکا تھا۔ اور آزادی کے پرنٹوٹ گئے تھے۔

موت کو اتنا قریب دیکھ کے اسے احساس ہوا تھا کہ ہر دوسرے انسان کی طرح وہ بھی موت سے ڈرتا تھا۔ وہ مرنے نہیں چاہتا تھا۔ کم از کم اب وہ مرنے نہیں چاہتا تھا۔

☆☆=====☆☆

ایم انہی قدموں پہ گھر واپس آیا مگر اس کا چہرہ وہ نہیں تھا جس کے ساتھ وہ گیا تھا۔ وہ لٹھے کی مانند سفید ہو رہا تھا۔

”تمہاری کار کو کیا ہوا؟ اور تم کسے کال کر رہے ہو؟“

وہ جس طرح دیوانہ وار فون ملاتا ہوا اندر داخل ہوا تھا، باغیچے میں کھڑے اس کے باپ نے حیرت سے پوچھا تھا۔

ابو جو برآمدے میں پودوں کو پانی دے رہی تھی وہ بھی رک کے اسے دیکھنے لگی۔

”پولیس کو۔ مجھے رپورٹ کر دانی ہے۔“ فون کان سے لگائے وہ گہرے سانس لیتا کہہ رہا تھا۔ اس کے ماں باپ نے پریشان نظروں کا تبادلہ کیا مگر خاموش رہے کیونکہ رابطہ مل چکا تھا اور ایم تیز تیز بولتا سارا وقوعہ بتا رہا تھا۔

Downloaded from Paksociety.com

اس نے فون رکھا اور باپ کا چہرہ دیکھا تو وہاں بھی وہی خوف تھا۔ اور پریشانی بھی۔ وہ دونوں سب سن چکے تھے۔
”یہ کس نے کروایا ہے؟“

”میں نے بہت سے لوگوں کے نام لیک کیے ہیں۔ کوئی بھی کروا سکتا ہے۔ اور مزے کی بات.... اگر ایک شخص مد مقابل ہوتا تو اس پہ شک جاتا۔ اب اتنے سارے لوگوں کی وجہ سے بندہ کس پہ شک کرے؟“
وہ مضطرب سا کہہ رہا تھا۔

”تم.... تم پریس کانفرنس کرو اور لوگوں کو بتاؤ کہ....“ باپ پریشانی کے عالم میں کہتا چاہ رہا تھا مگر ایڈم نے سختی سے نفی میں سر ہلایا۔

”اس سے کیا ہوگا؟ کوئی ایک آدمی ہوتا تو میں کہتا کہ اگر مجھے کچھ ہوا تو میرا خون اس کے ذمے ہے مگر کتنے لوگوں پہ شک کروں؟ پبلک مجھے نہیں بچا سکتی۔ یہ سلسلہ اب نہیں رکے گا۔“
پھر اس نے موبائل کی اسکرین باپ کو دکھائی۔

”یہ میرے میگزین کے دفتر کی فونمچ ہے۔ اور یہ (سوائپ کیا) پبلشر کے آفس کی۔ یہاں بھی فائرنگ ہوئی ہے۔ دو افراد زخمی ہو گئے ہیں۔“

”تم خوفزدہ ہو ایڈم؟“ ایبو تشویش سے دیکھتی قریب آئی۔ وہ تینوں اب تکوں صورت گھاس پہ کھڑے تھے۔ چمکتی دھوپ میں چار دیواری پہ لگے کالچ کے ٹکڑے چمک رہے تھے۔

”میں بہت خوفزدہ ہوں‘ ماں۔“ اس کے ماتھے پہ پسینہ تھا۔ ”میں مرنا نہیں چاہتا۔ اور یہ سب یہاں نہیں رکے گا۔ وہ آپ لوگوں کو بھی نقصان دے سکتے ہیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ دونوں کچھ عرصے کے لئے گاؤں چلے جائیں۔ حالہ کے پاس۔“

”کیا موت گاؤں میں نہیں آ سکتی؟“ ایبو نے باری باری دونوں کو دیکھا تو ایڈم زچ ہو گیا۔ وہ اس وقت نصیحت نہیں برداشت کر سکتا تھا۔

”میں آپ کو محفوظ رکھنا چاہتا ہوں ایبو۔“
”موت ہی زندگی کی حفاظت کرتی ہے ایڈم۔ کوئی نہیں جانتا وہ کس زمین پہ مرے گا۔ اور تمہارے تایا نے کہا تھا کہ اگر تم بچ بولو گے اور....“

”کاش تایا نے اپنے خواب کے آخر میں یہ بھی بتایا ہوتا کہ بچ بولنے کے بعد کیا ہوگا۔“

Downloaded from Pakvociety.com

تلخی سے کہہ کے وہ اندر کی طرف بڑھ گیا۔

ایڈم بن محمد کو آج کے واقعے کے بعد اس بات میں کوئی شک نہیں رہا تھا کہ وہ موت سے نہیں بھاگ سکتا۔ وہ عرصے سے اس کے تعاقب میں تھی۔ اسے اب اس مسئلے کا حل ڈھونڈنا تھا۔

اسے تالیہ کو ڈھونڈنا تھا۔ صرف وہی اس کو اس مشکل سے نکال سکتی تھی۔ کیونکہ اس کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا تھا۔ ایڈم کمرے میں آیا اور گزشتہ روز کے اتارے ہوئے کوٹ کی جیب سے وہ چٹ نکالی جس پہ ذوالکفلی کا پتہ درج تھا۔ اسے اس شخص کو ڈھونڈنا تھا۔ وہی جانتا ہوگا کہ تالیہ کہاں جا سکتی ہے۔

☆☆=====☆☆

کتابوں سے بھرے تہہ خانے میں اس نے موم بتیاں جلا رکھی تھیں۔ مصنوعی بتیاں بجھا رکھی تھیں۔ وہاں خوف تھا اور اداسی تھی۔ وہ میٹ پہ آلتی پالتی کیے یوگا کے پوز میں بیٹھی آنکھیں بند کیے ہوئے تھی۔ سینکڑوں کتابیں خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ بار بار جیسے کچھ سوچتی اور پھر سر جھٹکتی....
تالیہ مراد پریشان اور خوفزدہ تھی..... اداس تھی..... اکیلی تھی.....

بی این کے آفس میں فاتح کرسی پہ بیٹھا، بے توجہی سے فائلز دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ٹائی ڈھیلی کرتے ہوئے ٹی وی اسکرین کو دیکھا۔ اور ریوٹ اٹھا کے آواز بلند کی۔

ہینکر گلا پھاڑ کے وان فاتح کی مبینہ آف شور کمپنی کے بارے میں لوگوں کو بتا رہی تھی۔ اسکرین پہ بار بار فاتح اور صوفیہ کی میوزیم کی ڈی بیٹ کا وہ منظر چلایا جا رہا تھا جس میں فاتح نے بیانگ دہل کہا تھا کہ اس کی کوئی بے نامی جائیداد نہیں ہے۔ اس نے چھیل بدلا۔ ہر جگہ یہی تھا۔ اس نے بے زاری سے بٹن دہا کے ٹی وی کو خاموش کرایا اور پیچھے ٹیک لگالی۔

وان فاتح پریشان تھا..... خوفزدہ تھا..... اداس تھا..... اکیلا تھا.....

بس سرسبز ٹیلٹ کے درمیان سڑک پہ رفتاری سے تیز رواں دواں تھی۔ مسافر نشستوں پہ بیٹھے کھڑکی سے باہر کا نظارہ کر رہے تھے۔ کچھ فوٹو اور آئی پیڈز پہ لگے تھے۔ ایڈم البتہ بالکل غم مسم سا کھڑکی سے باہر بھاگتے درخت دیکھ رہا تھا۔ وہ ملا کہ جا رہا تھا اور اسے نہیں معلوم تھا کہ تالیہ کو کیسے ڈھونڈنا ہے۔ سوائے ذوالکفلی کے کوئی نشانی، کوئی طریقہ، کچھ بھی اس کے پاس نہ تھا۔ وہ کہاں تھی اور اس کو کیسے ڈھونڈا جاسکتا تھا؟ اگر وہ اسے ڈھونڈ نہ پایا تو ایڈم کو موت کے اس تعاقب سے کوئی نہیں بچا

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

پائے گا۔

ایم بن محمد پریشان تھا..... خوفزدہ تھا..... اداس تھا..... اور اکیلا تھا۔

☆☆=====☆☆

مغرب کانٹنگوں اندھیرا دان قاتح کی رہا نگاہ پہ پھیل رہا تھا۔ گیٹ کھلے تھے اور اس کی کار اندر داخل ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ کھڑکی کے شیشے سے قاتح نے دیکھا اس کے لان میں دولت کھڑا تھا۔ سینے پہ بازو لپیٹے وہ مختصر مسکراہٹ کے ساتھ کار کو آتے دیکھ رہا تھا۔

قاتح کے ماتھے پہ شکنیں نمودار ہوئیں۔ لب بھنج گئے۔ وہ کوٹ کا بٹن بند کرنا باہر نکلا اور نیلے اندھیرے میں ڈوبے لان کی طرف آیا۔

”السلام علیکم قاتح۔ امید ہے سب خیریت ہوگی۔“ دولت دوستانہ انداز میں مسکرایا۔

قاتح نے زیر لب اس کے سلام کا جواب دیا اور اکھڑے اکھڑے انداز میں کہتے ہوئے قریب آیا۔

”تم نے تالیہ کو ڈھونڈ لیا ہے؟ اگر نہیں تو میں تمہاری اپنے گھر میں موجودگی غیر ضروری سمجھتا ہوں۔“

”نہیں۔ ابھی تک ہم اس کو نہیں ڈھونڈ سکے۔ مگر...“ دولت نے اعتراف کرتے ہوئے ٹھنڈی سانس بھری۔ اب وہ

دونوں لان میں آئے سانس کھڑے تھے۔

”چونکہ تم چائے نہیں پیو گے اس لئے تم جاسکتے ہو۔“

وہ اسی درشتی سے کہتا گھر کی طرف مڑ گیا۔ اسے اس آدمی سے مزید کوئی بات نہیں کہنی تھی۔

”قاتح.... میری بات سنو۔“ دولت اس کے پیچھے لپکا۔ ”میں جانتا ہوں تم اب مجھے اپنا دوست نہیں سمجھتے کیونکہ تمہیں میری

جانب سے اختلاف ہے مگر تم نے کبھی سوچا کہ تمہارے دوستوں کو بھی برسوں سے تمہاری سیاسی پالیسی سے اختلاف ہوتا ہوگا“

مگر انہوں نے پروفیشنل معاملات کی وجہ سے پرستل تعلقات کو کبھی خراب نہیں کیا۔“

وہ پورچ تک پہنچا تھا جب پیچھے آتے دولت کی بات پہر کا اور گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

”تم تالیہ کو میرا نام لے کر.... دھوکہ دے کر... اس قید میں لے کر گئے تھے جس نے اس لڑکی کو اتنا ہرٹ اور خوفزدہ کر دیا

کہ وہ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی قانون پہ بھروسہ نہیں کر پارہی۔“

لان میں اندھیرا گہرا ہونے لگا تو ایک ملازم نے پورچ کی بتیاں جلا دیں۔ (باقی ملازم اور گارڈا دھرا دھرا کھسک گئے۔)

پورچ ایک دم روشنی میں نہا گیا تو دولت کو اس کا چہرہ واضح نظر آیا جس پہ شدید غصہ تھا۔ اس نے بے بسی سے ماتھے کو چھوا۔

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”فاتح... فاتح... وہ کوئی بے گناہ لڑکی نہیں ہے۔ وہ اسکا مر ہے۔ چورا اور فراڈ۔“

وان فاتح ایک قدم آگے آیا اور افسوس سے دولت کی آنکھوں میں جھانکا۔

”تم خود کو اس لڑکی کی جگہ پہ رکھ کے سوچ سکتے ہو؟ ایک دفعہ دولت تم اپنے تعصب کو بھلا کے... صرف اس لڑکی کا سوچو جو

ایک سیاہ زندگی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھی۔ وہ میرے لئے اپنے سیاسی امیڈیلز کے لئے کام کر رہی تھی۔ اس نے معاشرے میں عزت بنائی تھی۔ وہ خوش تھی۔ وہ غلط راستے کو چھوڑ چکی تھی کیونکہ میں نے اسے کہا تھا اچھائی پہ چلنے کے اچھے نتائج پر یقین رکھو۔ اور تم لوگوں نے کیا کیا؟“

وہ تکلیف بھرے انداز میں پوچھ رہا تھا۔ دولت خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

”جب کوئی اچھا بننا چاہتا ہے تو اس کے ساتھ ایسے کرتے ہیں کیا؟ پر دوشن کے لئے..... اپنا نام خبروں میں دیکھنے کے

لئے کسی اچھے انسان کو یوں بدنام کرتے ہیں کیا جیسے تم کر رہے ہو؟“

دولت کی آنکھوں میں بھی تاسف ابھرا۔ ”You're a man in love“

فاتح نے سر جھٹکا۔ ”میرے جذبات تمہارا کنسرن نہیں ہیں۔ تم اپنی پر دوشن کی فکر کرو۔“

مگر اس سے پہلے کہ وہ واپس مڑتا دولت تیزی سے بولا۔

”میں برا ہوں ٹھیک ہے۔ مگر تم اس کے لئے کچھا اچھا کیوں نہیں کرتے۔“

وان فاتح ٹھہر گیا۔ بالآخر دولت اس کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اسے خاموش دیکھ کے وہ تیز تیز کہنے لگا۔

”وہ تم سے ضرور رابطہ کرے گی۔ تم جانتے ہو کہ اس کا بھانجا اس کو مزید مشکوک بنا رہا ہے۔ تم اس کو سمجھاؤ۔ اس کی بھلائی

کے لئے کہ اگر وہ بے گناہ ہے تو واپس آ جائے۔ بجائے اس کے کہ ہم اس کو پکڑیں..... وہ خود آ جائے.... اور با عزت طریقے

سے گرفتاری دے دے۔ میں وعدہ کرتا ہوں (سینے پہ ہاتھ رکھ کے بولا) کہ میں اسے کسی مجرم کی طرح گرفتار نہیں کروں گا۔

میں اس کو میڈیا کے سامنے جھکڑی بھی نہیں لگاؤں گا۔ میں رپورٹرز کو بتاؤں گا کہ وہ ملک سے باہر تھی وہ بیمار تھی اسی لئے وہ آ

نہیں سکی اتنے دن۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر اس نے خود ہم سے رابطہ کر لیا تھا اور وہ خود اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر رہی ہے۔

کورٹ میں میں تالیہ کے خلاف ہی رہوں گا مگر اس کی گرفتاری تک... میں اس کو..... بے عزت نہیں کروں گا۔“

وہ رکا اور فاتح کے خاموش چہرے کو دیکھ کے ٹھہر ٹھہر کے کہنے لگا۔

”لیکن..... دوسرا مکان سوچو... اگر ہم نے اسے خود گرفتار کیا.... اور ہم اسے گرفتار کر لیں گے..... تو تم وہ منظر جانتے ہو کیسا

ہوگا؟ ایک عورت کو جھکڑیاں لگا کے سر جھکائے پولیس کے زونے میں تھانے تک لایا جانا.... کیا لگے گاٹی وی جینٹلو کی اسکرین

Downloaded from Paksociety.com

”پہ؟ کیا تم چاہتے ہو کہ تالیہ کے ساتھ یہ ہو؟“

فاتح خاموش نظروں سے اسے دیکھے گیا تو دولت نے دہرایا۔ ”فاتح... کیا تم اس کو گرفتاری دینے کے لئے راضی کرو گے؟

اگر ہاں تو... میں یہ گارنٹی دیتا ہوں کہ....“

”تم یہ گارنٹی لکھ کے دے سکتے ہو؟“

وہ بات کاٹ کے سپاٹ سا بولا تو دولت نے گہری سانس لی اور جیب سے ایک لقاؤہ نکال کے اس کی طرف بڑھایا۔

”مجھے معلوم تھا تم بھی کہو گے۔ اسی لیے گارنٹی ساتھ لایا ہوں بلیک اینڈ وائٹ میں۔ اس کو راضی کرو، فاتح... اس کے اپنے

لئے اسے راضی کرو۔“

فاتح نے کانڈکھول کے دیکھا۔ پورچ کی تیز روشنی میں دھندلی نظر دوڑانے کے باوجود اسے تحریر سمجھ آ گئی۔ اس نے ہلکے

ساتبات میں سر کو جنبش دی۔

”اگر اس نے مجھ سے رابطہ کیا... تو میں کوشش کروں گا۔ اور چونکہ تم چائے نہیں پو گے اس لئے تم جاسکتے ہو۔“ اسی بے

رنخی سے کہہ کے کانڈ لئے وہ اندر کی طرف بڑھ گیا۔ دولت روشنیوں میں نہائے پورچ میں کھڑا مسکرا کے اسے جاتے دیکھنے

لگا۔

☆☆=====☆☆

ذوالکفلی کے گھر کی راہداری میں لکڑی کا تختہ باہر ہٹا تھا، کیونکہ تالیہ کچھ دیر پہلے لو پر آئی تھی۔ سارے گھر میں اسی طرح

مدھم بتیاں جلی تھیں۔ دیوان خانے میں ساحر دوزانو بیٹھا، چھوٹی میز پہ کانڈ رکھے کچھ لکھ رہا تھا۔

”اتنی دیر سے خاموش کیوں بیٹھی ہو پتری تالیہ؟“ وہ سر اٹھائے بنا لکھتے لکھتے بولا۔

وہ سامنے اکڑوں بیٹھی، گتھنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھی تھی۔ تھوڑی گتھن پہ لکائے اداسی سے بولی۔ ”کیا کہوں؟ کچھ کہنے

میں دلچسپی ہی نہیں رہی۔“

”ماپوس ہو؟“

تالیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کی کچیل (غزال) جیسی آنکھوں میں زمانے بھر کی اداسی تھی۔ ذوالکفلی نے کتاب بند

کی، قلم واپس رکھا اور نرمی سے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

”میں تمہارے لئے اور کیا کر سکتا ہوں پتری تالیہ؟“

”تم جانتے تھے کہ میں پتری تالیہ ہوں۔ پھر بھی تم مجھے ہمیشہ شہزادی تالیہ کیوں کہتے تھے؟“

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”کیونکہ یہی تمہاری اصل شناخت ہے۔ پندرہویں صدی ملا کہ کی ”شہزادی“ اور آج کی ”تالیہ“۔ ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔“

تالیہ نے گردن موڑی اور دیوار پہ نصب ہیلٹ پہ رکھی ایک جامنی رنگ کی بوتل کو دیکھا جس کے پینڈے میں کچھ سونے کا دھبہ رہا تھا۔

”کیا تم مجھ وقت میں واپس پیچھے بھیج سکتے ہو؟“ وہ حسرت سے اسے دیکھ کے بولی۔

”نہیں تالیہ۔ وقت کی چابی زائل ہو چکی ہے اور وہ دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے۔ یہ کچھ اور ہے جو میں نے تمہاری ہنر پن سے بنایا تھا۔ مگر تم دوبارہ وقت کی قید میں جانے کا کیسے سوچ سکتی ہو؟“

”کیونکہ.....“ اس نے ذوالکفلی کی طرف چہرہ موڑا اور تذبذب سے لب کاٹے۔ ”کیونکہ میں اپنے باپا سے ایک آخری دفعہ ملنا چاہتی ہوں..... بس چند لمحوں کے لیے اگر میں پیچھے جاسکوں۔۔۔“

”آخری دفعہ؟“ ذوالکفلی نے غور سے اس کی اداس آنکھوں کو دیکھا۔ ”آخری دفعہ تم مراد سے ملنے کے بعد کیا کرنا چاہتی ہو؟“

”اگر کچھ کر بھی گزروں تو یہ پہچنتا ہوں نہیں رہے گا کہ باپا کو خدا حافظ نہیں بولا تھا۔“ وہ دور خلا میں گھورتے ہوئے بے خودی کے عالم میں بولی۔

”مجھے تم سے اب خوف آنے لگا ہے۔ کیا اس موجودہ دنیا سے تمہاری ساری امیدیں ختم ہو گئی ہیں؟“

تالیہ نے نظریں جھکا دیں۔ ”نہیں۔ ابھی فاتح ہے۔“

”ہاں۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم باپا سے ملاقات کا نہ سوچو۔ وہ دروازہ اب بند ہو چکا۔“

”مگر بنگارا یا ملاپو کے آخری تین ابواب میں لکھا تھا کہ میں واپس گئی تھی ملا کہ میں۔“ اسے یاد آیا۔

”وہ ابواب بعد میں مراد راجہ نے لکھوائے تھے۔ تمہارے غائب ہونے کی وجہ اور اپنی عزت بچانے کو۔ وہ سچ نہیں

تھے۔ تاریخ کی ساری کتابیں سچ نہیں ہوتیں۔ تم اب واپس نہیں جاسکتیں۔“

اس نے گہری سانس لی۔ ”یعنی کہ واپسی کی امید بھی ختم؟ میں نے سوچا تھا کہ اگر اس زندگی سے امید ختم ہو گئی تو میں واپس

چلی جاؤں گی۔ مگر تم نے میری وہ امید بھی توڑ دی۔ اب اگر فاتح نے مجھے واپس کیا تو میں کیا کروں گی؟“

وہ میز پہ کہلیاں رکھ کے آگے کو جھکا اور مسکرا کے کہنے لگا۔ ”انسان بہت بڑا سروائیور ہوتا ہے۔ تم اس کو بھی جھیل لو

گے۔ یوں کرنا اس ملک سے دور چلی جانا اور نئی زندگی شروع کرنا۔“

Downloaded from Paksociety.com

تالیہ زخمی سا مسکرائی۔ ”نہیں! ذوالکفلی۔ اگر قاتح نے بھی مجھے مایوس کر دیا تو میرے پاس اس زندگی کو جاری رکھنے کے لئے کچھ نہیں بچے گا۔“

”ایسے مت سوچو۔ کم از کم تم ایسے سوچتے ہوئے اچھی نہیں لگتی ہو۔ تم تو بہت بہادر ہو۔ ہم سب سے زیادہ بہادر۔“
وہ انا سی سے مسکراتی رہی۔ ”ٹوٹا ہوا دل انسان سے وہ کام بھی کروا دیتا ہے جن کے بارے میں اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوتا۔ مگر خیر.... فکر نہ کرو.... مجھے موت کی تکلیف سے بھی ڈر لگتا ہے۔“
دروازے پہ دستک ہوئی تو وہ چوکی۔

”اس وقت کون آیا ہے؟“ وہ تیزی سے اٹھی۔ ایک دم چہرے پہ خوف نظر آنے لگا۔
”میں دیکھتا ہوں۔ تم نیچے جاؤ۔“ وہ اطمینان سے کہتا اٹھا۔ تالیہ تیزی سے ادھاری تک آئی، ٹریپ ڈور ہٹایا، نیچے کودی اور تختہ بند کر دیا۔ ذوالکفلی نے اوپر میٹ برام کیا اور خود دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ تالیہ نے ٹریپ ڈور پورا بند نہیں کیا تھا۔ وہ وہیں اوپری زینے پہ کھڑی، کان لگا کے سننے لگی۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔
ذوالکفلی نے دروازہ کھولا تو سامنے ایڈم کھڑا تھا۔ اس کی شیو بڑھی تھی، ماتھے پہ بال نکھرے تھے اور شکل سے مضمحل نظر آتا تھا۔

”کیا میں امیر آسکتا ہوں؟ ذوالکفلی صاحب؟“
”نہیں، کیونکہ میں آپ کو نہیں جانتا۔ آپ کو جو کام ہے، ہمیں سے بتادیں۔“ ذوالکفلی رکھائی سے بولا۔
”نیچے تہہ خانے کے زینے پہ کھڑی تالیہ نے بے چینی سے لب کاٹے تھے۔ پھر بلا ضرورت ہی سر پہ ہنڈ ڈال دی۔ کہیں وہ فرش کے اندر سے ہی اس کو نہ دیکھ لے۔“
”میں.... ایڈم ہوں....“ ایڈم جھجک کے بتانے لگا۔ ”چے تالیہ مجھے جانتی ہیں اور مجھ پہ اعتبار کرتی ہیں۔ میں انہی کے لئے آپ سے ملنے آیا ہوں۔“

ذوالکفلی نے گہری سانس لی اور راستہ چھوڑ دیا۔
اب قدموں کی آواز سے معلوم ہوتا تھا کہ دونوں امرد دیوان خانے کی طرف جا رہے ہیں۔ تالیہ کان لگا کے سننے لگی۔ ہر آہٹ، ہر لفظ۔ اس کی ہتھیلیوں پہ پسینہ آرہا تھا۔
وہ دیوان خانے میں چٹائی پہ اسی جگہ بیٹھ گیا جہاں تالیہ بیٹھی تھی اور چھوٹی میز پہ کہنیاں رکھے آگے کو جھکے بات کا آغاز کیا۔
”میں چے تالیہ کے لئے بہت پریشان ہوں۔“

Downloaded from **Paksociety.com**

”میں بھی ہوں۔ کیا تم اس کو میرا ایک پیغام دے سکتے ہو؟“ ذوالکفلی نے جواباً اتنی ہی فکر مندی سے کہا تو ایلم دھیرے سے پیچھے ہوا۔ تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

”یعنی آپ.... نہیں جانتے وہ کہاں ہیں؟“ اس کی اس ٹوٹ گئی۔

”میں؟ میں نے چند ماہ سے اسے نہیں دیکھا۔ وہ مجھ سے شدید ضرورت کے علاوہ رابطہ نہیں کرتی۔ میں سمجھا تم اس کا پیغام لائے ہو۔ اسی لئے میں نے تمہیں اندر آنے دیا۔“ ذوالکفلی ایک دم مشکوک نظروں سے اسے دیکھنے لگا تو ایلم جلدی سے بولا۔

”انہوں نے آپ سے کوئی رابطہ نہیں کیا؟“

”نہیں۔ میں نے کوشش کی۔ ہمارے کچھ (آواز دھبی کی) خفیہ طریقے ہیں مگر اس کا کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ شاید وہ ملک چھوڑ چکی ہے۔“

”اُف۔“ ایلم نے آنکھیں بند کیں اور پیشانی کو دوا لگیوں سے چھوا۔

”اب میں کیا کروں؟ مجھے ان کو ڈھونڈنا ہے۔“ پھر سر اٹھا کے ذوالکفلی کو دیکھا۔

”آپ جادوگر ہیں؟ میں جانتا ہوں۔ کیا آپ ان کا سراغ نہیں لگا سکتے۔“

”اگر یہ ممکن ہوتا تو پھر ساری دنیا کے سراغ رساں ایک جادوگر ساتھ لیے پھرتے تو جوان۔ جادو ایسے کام نہیں کرتا۔“ وہ

رکھائی سے بولا۔ ”اگر تم کہہ چکے تو جاسکتے ہو۔“

ایلم چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

”آپ سچ کہہ رہے ہیں نا؟“

”تمہیں یقین نہیں کرنا تو نہ کرو۔“

”دیکھیں.... میں وان فاتح کا پیغام لایا ہوں ان کے لئے۔ اگر وہ آپ سے رابطے میں ہیں تو پلیز ان کو میرا پیغام پہنچا دیں۔“

”کیا مجھے تمہیں اپنے گھر سے نکالنے کے لئے پولیس کو بلانا پڑے گا؟“

ایلم پیچھے کو ہوا اور گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔ ”سوری۔ مجھے آپ کا یقین کرنا چاہیے۔ میں اب آپ کو تکلیف نہیں

دوں گا مگر یہ میرا نمبر ہے۔ اگر وہ رابطہ کریں تو مجھے بتائیے گا۔“

”لو کے۔ یہ میں کر سکتا ہوں۔“ ذوالکفلی نے اس کا کارڈ رکھ لیا تو وہ اٹھ گیا۔ وہ ہا ہر چلا گیا تو ذوالکفلی دروازہ بند کر کے

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

راہداری میں آیا اور جوتے کی ٹوک سے میٹ پرے کیا۔ ٹریپ ڈور کی درز نظر آ رہی تھی۔

”کوئی پیغام جو تم اس کو پہچانا چاہو؟ وہ تم سے تخلص لگتا ہے۔“

تالیہ نے جواب دینے کے بجائے زور سے ٹریپ ڈور بند کیا اور زینے اترنے لگی۔ یہ صاف انکار تھا۔

باہرنگلی میں چلتے ایڈم نے دوسرا موہاٹل نکالا جو محفوظ تھا اور قاتح کے اس نمبر پہ کال ملائی جو اس نے خفیہ گنگو کے لیے ایڈم کو دیا تھا۔ کیونکہ اس نمبر کو پولیس ٹریس نہیں کر سکتی تھی۔

قاتح نے چھوٹے ہی فون اٹھایا۔

”کچھ معلوم ہوا؟“

”جی۔ وہ اسی کے گھر میں ہیں۔ میں نے انہیں ڈھونڈ لیا ہے۔“

”آر پوشیدہ۔“

”جی۔ جس طرح اس آدمی نے مجھے بار بار گھر سے نکل جانے کو کہا، اس کا بھی مطلب تھا کہ وہ گھر میں ان کو چھپائے ہوئے ہے۔ لیکن میں زبردستی چے تالیہ کو اس گھر سے نہیں نکال سکتا۔ وہ خوفزدہ ہیں۔“ نگلی میں چلتا ہوا ایڈم الجھا الجھا سا کہہ رہا تھا۔ ”مجھے.... مجھے کچھ ایسا کرنا ہو گا کہ وہ خود مجھ سے ملنے پہ راضی ہو جائیں کیونکہ اگر میں نے یہاں کوئی سین کری ایٹ کیا تو ارد گرد لوگوں اور پولیس کو معلوم ہو جائے گا۔“

”ہوں.... کیا چیز ہو سکتی ہے جو اسے باہر آنے پہ مجبور کر دے۔“

”اگر آپ آجائیں؟“ ایڈم نے کہا تو دل میں عجیب سا خالی پن محسوس ہونے لگا۔

”دولت مجھ پہ نظر رکھے ہوئے ہے۔ میں آؤں گا لیکن تمہیں پہلے اس کو باہر نکلنے پہ راضی کرنا ہو گا۔ یہ نہ ہو کہ وہ اب وہاں سے بھی بھاگ جائے۔ کوئی حل نکالو!“

اس کو تنہا سے کہہ کے قاتح نے فون رکھ دیا اور ایڈم پریشانی سے مڑ کے اس گھر کو دیکھنے لگا۔

جو اسے معلوم تھا وہ اس کی مدد کر سکتا تھا مگر اسے کیا معلوم تھا تالیہ کے بارے میں؟

اس کا ذہن کورے کاغذ کی طرح خالی تھا۔

☆☆=====☆☆

انگلی صبح بی این کے چیئر مین آفس کو سرا کی چکیلی دھوپ نے منور کر رکھا تھا۔ سیکرٹری کارمن بھاپ اڑاتا نگ قاتح کی میز

Downloaded from Pakvociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

پہر کھدی تھی۔ وہ کاغذوں میں اتنا الجھا تھا کہ لب ہٹا آواز کے ہلائے۔ (ٹھینک پوتا لیہ)

قلم سے کچھ لکھتے لکھتے وہ رک گیا اور ہولے سے سر جھٹکا۔ (اتنے ماہ گزر چکے تھے مگر تالیہ کی کافی اور تالیہ کی موجودگی کی عادت نہیں گئی تھی۔) پھر اونچا سا بولا۔ ”ٹھینک پو‘ کارمن!“

”سر! آپ میڈیا بریفنگ کب دیں گے؟“ سیکرٹری وہیں رک کے پوچھنے لگی۔ وہ مجھسی مجھسی لگتی تھی۔ ”رپورٹرز نے الگ ٹاک میں دم کر رکھا ہے اور مخالفین خاموش ہی نہیں ہو رہے۔“

وان فاتح آگے کو جھکا ’کاغذات پہ کچھ لکھ رہا تھا۔ سپاٹ سے انداز میں جواب دیا۔ ”ابھی انتظار کرو۔“

سیکرٹری نے بے بسی سے اسے دیکھا وہ دو دن سے یہی سوال پوچھ رہی تھی اور وہ یہی جواب دیتا تھا۔ وہ کس شے کے انتظار میں تھا؟

”سر آپ کے وکلاء آگئے ہیں۔ میں ان کو بھیج دیتی ہوں۔“ وہ کہہ کے جانے لگی تو فاتح نے پکارا۔

”ہاں..... اور تم بھی یہیں آ جانا۔“

سیکرٹری کارمن اس بات پہ ٹھٹھک کے رکی اور مٹر کے اسے دیکھا۔ اس کا لباس ڈائی ڈھیلے کیے ’استین موڑے‘ کاغذوں کو الٹ پلٹ کر کے دیکھ رہا تھا۔ بالکل بے نیاز، مطمئن۔

”سر..... میں وکیل اور کلائنٹ کی میٹنگ کے درمیان کیسے بیٹھ سکتی ہوں؟“

کارمن سمجھار لڑکی تھی۔ وہ تالیہ کے بعد آئی تھی اور اب تک اسے ان قوانین کی بخوبی سمجھ آ چکی تھی۔

”کیوں‘ کارمن؟“ اس نے فائل سے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا تو وہ جزیبہ ہوئی۔

”جب کلائنٹ اپنے وکیل سے بات کرتا ہے تو کانفیڈنسیلٹی کا قانون اپلائی ہوتا ہے۔ وکیل آپ کے راز نہیں کھول

سکتا۔ آپ کی کئی بات آپ کے خلاف نہیں استعمال کر سکتا۔ لیکن ایک تیسرا فرد بیٹھ جائے تو....“

”تو اس پہ یہ قانون لاگو نہیں ہوگا اور وہ جب چاہے میرے اور میرے وکلاء کی باتیں باہر جا کے بتا سکتا ہے۔ یہی نا؟“ وہ

ہلکا سا مسکرایا۔ ”تمہیں لگتا ہے وان فاتح ان چیزوں سے ڈرتا ہے؟“

کارمن اداسی سے مسکرائی۔ ”آپ مجھ سے آج تک طعنہ والے انسانوں میں مضبوط ترین‘ سر۔ مگر یہاں ہر کوئی آپ کو گرا نا

چاہتا ہے۔ میں آپ کے لئے فکر مند ہوں۔“

”تمہیں کیا لگتا ہے‘ میں نے یہ کیا ہوگا؟“ وہ قلم بند کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ کارمن نے تھوک لگایا۔ چیئر مین سے براہ

راست یہ بات ڈسکس کرنے کی ہمت رپورٹرز کے سوا کسی میں نہیں تھی۔

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”سر جب میں یہاں آئی تھی تو آپ سے چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے نصیحت لینے آتی تھی۔ اور آپ.....“ وہ یاد کر کے کہتی میز کے عین سامنے آکھڑی ہوئی۔ ”اور آپ مجھے سچ بولنے کا درس دیتے تھے۔ مجھے رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے کوئی چھوٹا سا واقعہ سنا کے کہتے تھے کہ یوں کرو اور یوں نہ کرو۔ میں اتنا جانتی ہوں کہ جس شخص کو چھوٹی چھوٹی باتوں میں رسول اللہ ﷺ کے واقعات یاد ہیں وہ کبھی اتنا بڑا دھوکہ نہیں کر سکتا۔ آپ میرے آئیڈیل رہے ہیں اور میرے ملک کے بہت سے لوگوں کے آئیڈیل ہیں۔ ہم ان باتوں پہ کبھی یقین نہیں کریں گے۔ کسی نے آپ کو وہ کاغذات سائن کرنے کے لئے ڈک کیا ہو گا۔“ پھر وہ رکی۔ ”آپ یہ بات میڈیا پہ بتا کیوں نہیں دیتے؟ ان لوگوں کے الزامات کا شور مجھے اور آپ کے ووٹرز کو پریشان کر رہا ہے۔“

فاتح نے ٹیک لگائی اور قلم بند کرتے ہوئے مسکرا کے اسے دیکھا۔

”ایک دفعہ ایک بوڑھے کسان کی گھڑی کھو گئی، کارمن۔“ وہ نرمی سے کہنے لگا تو کارمن توجہ سے سننے لگی۔ ”اس نے ہاڑے میں اسے بہت ڈھونڈا مگر وہ نہ ملی۔ وہ تھک گیا تو ہا ہر کھیلتے بچوں کے گروہ کو بلایا اور انعام کا وعدہ کر کے انہیں گھڑی تلاش کرنے کو کہا۔ بچے خوشی خوشی گھڑی ڈھونڈنے ادا رہا دھر بھاگے۔“ اس نے ساتھ ہی مگ اٹھایا، گھونٹ بھرا اور اسے واپس رکھا۔

”کئی گھنٹے بچے گھڑی ڈھونڈتے رہے مگر وہ انہیں نہ ملی۔ آخر تھک کے بچے جانے لگے۔ ان کی تعداد گھٹتی گئی۔ یہاں تک کہ سب بچے چلے گئے سوائے ایک کے۔ اس ایک نے ابھی تک گھڑی ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ چپ کر کے بیٹھا رہا تھا۔ جب سب چلے گئے تو وہ تھکے ماندے کسان کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا میں گھڑی تلاش کروں۔ کسان نے فوراً اجازت دے دی۔ وہ ہاڑے میں گیا اور چند منٹ بعد گھڑی ڈھونڈ لایا۔“

کارمن کے ابرو استعجاب سے اٹھے مگر وہ خاموش رہی۔ جانتی تھی وہ وجہ بتانے والا ہے۔

”کسان خوش ہونے کے ساتھ حیران بھی ہوا۔ اس نے پوچھا کہ جو کام اتنے گھنٹے تک اتنے سارے بچے نہیں کر سکے وہ تم نے کیسے کر لیا۔ تو اس بچے نے کہا کہ....“ وہ ذرا توقف کے بعد بولا۔ ”کہ زیادہ بچوں کے باعث شور بہت تھا۔ جیسے ہی وہ گئے اور شور تھما ہاڑے میں خاموشی ہوئی اور اس خاموشی میں گھڑی کی سوتیوں کی ٹک ٹک سننا زیادہ آسان تھا۔ میں نے صرف اس آواز کو تلاش اس کا تعاقب کیا اور مجھے یہ گھڑی مل گئی۔“

وہ خاموش ہوا تو کارمن نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

”آپ شور تھمنے کا انتظار کر رہے ہیں تاکہ... تاکہ وہ اصل آواز سن سکیں جو آپ کو سننی چاہیے۔“

”وہ کلام کو اندر بھیج دو اور تم بھی آ جاؤ۔“ وہ مسکرا کے آستین واپس موڑنے لگا۔ یہ طے تھا کہ وہ براہ راست جواب نہیں دے

Downloaded from Paksociety.com

گا۔

کچھ دیر بعد کارمن دیوار کے ساتھ کرسی پہ بیٹھی تھی اور دکلاء فاتح کے مقابلہ برائے جان کاغذات کھولے بحث میں لگے تھے۔

”اگر یہ دھتھلا اصلی ہیں تو آپ مشکل میں ہیں فاتح۔“ سینئر وکیل فکر مندی سے کہہ رہا تھا۔ ”آپ نے دھوئی کیا تھا کہ آپ کی کوئی بے نامی جائیداد نہیں ہے۔ مگر یہ واقعہ آپ کی کریڈیٹ بیٹھی ختم کر رہا ہے۔“

”میری کوئی بے نامی جائیداد نہیں ہے۔“ وہ ٹیک لگائے اسی سکون سے بولا۔ ”جونیر وکیل آگے ہوا اور آواز دھمی کی۔“

”سر..... ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ فراڈ ہے۔ آپ کے نام سے کسی نے دھتھلا کیے ہیں۔ ہم ایڈم کو عدالت میں لے جاسکتے ہیں اور کلائنڈ اینڈ لی کمپنی کے گواہوں کو خرید سکتے ہیں۔ وہ کورٹ میں بیان دیں گے کہ ایسی کوئی فائل کمپنی کے ڈیٹا میں موجود نہیں ہے۔“

دور بیٹھی کارمن نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔ فاتح کے تاثرات ویسے ہی تھے۔ ٹھنڈے پُرسکون۔

”مگر کمپنی اس فائل کی کاپی نکال کے دکھا سکتی ہے۔“

”فہمیں سر۔“ جونیر وکیل پر جوش ہوا۔ ”ایڈم بن محمد کی کتاب کے حصہ دوم کے بعد کلائنڈ اینڈ لی بند ہو گئی ہے اور انہوں نے تمام ڈیٹا تلف کر دیا ہے۔ ایک پراسرار آگ میں۔ آپ اگر اس کمپنی کی ملکیت سے انکار کر دیں تو کوئی بھی آپ کو اس کا مالک ثابت نہیں کر سکتا۔“

”بالکل فاتح۔“ سینئر وکیل گویا ہوا۔ ”تمہیں صرف یہ کہنا ہے کہ میں نے یہ کاغذات زندگی میں پہلی دفعہ اب دیکھے ہیں۔ تم ان کو نہیں پہچانتے۔“

”میں دو دن گزر جانے کے بعد یہ کہوں کہ میں ان کو نہیں پہچانتا؟“

”جی سر۔“ دو دن آپ دکلاء سے مشورہ کر رہے تھے اور ان کاغذات کے قارئین کر رہے تھے۔ اس لئے جواب نہیں دیا۔ پھر ایڈم بن محمد پہ قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔ وہ اس وقت کیس لڑنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ یہ معاملہ چند دن میں دب جائے گا۔ آپ صاف انکار کر دیں۔ بس۔“

فاتح نے وہ فائل اٹھا کے دیکھی جس میں ان کاغذات کی کاپی موجود تھی۔ اسٹیمپل کے قریب ایک دھبہ لگا ہوا تھا۔ سوکھے چیری بلاسم کی جتنی کا نشان جو ساتھ ہی فوٹو کاپی ہو گیا تھا۔

وہ اس کو دیکھنے لگا اور منظر بد لئے لگا.....

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

وہ سڑک کنارے بیچا ہوا تھا..... سڑک پہ سفید اور گلابی چیری بلاسم کے پھولوں کی تہہ چھٹی تھی۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اس نے کانوں اور گردن کو منظر میں لپیٹ رکھا تھا..... سامنے سے ایک بچہ گزر رہا تھا..... اس کے جوتوں سے چھٹکنے کی آواز آتی تھی..... فاتح کی نظریں اس کے ہاتھ میں پکڑی کاشن کینڈی پہ جمی تھیں جس کی اسٹک کو وہ گھما رہا تھا۔ گول.... گول.... کسی سمندر میں بنے بھنود کے وسطی نقطے کی طرح....

عصرہ درخت کے عقب سے نکلی اور اس کے ساتھ بیچا ہوا تھا۔ وہ چوٹا۔ بے دھیانی میں کافی چھٹکی بیروں میں گرا ایک پھول داغدار ہو گیا۔

”مجھے تم سے کچھ مانگنا ہے۔“ وہ کہہ رہی تھی۔ ”صرف ایک دستخط.... میرے لئے..... ہنا کوئی سوال پوچھے۔“

”بلیٹک ڈاکومنٹ ہے؟“

”تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے کیا؟“

”ہیئن۔۔۔“ اس نے کہتے ہوئے فائل کھولی۔ ہوا کا جھوٹا آیا اور تھم سے ڈھیروں چیری بلاسم کھلی فائل پہ آگرے....

”سر!“ وہ چوٹا اور سر جھٹکا۔ وکیل کچھ کہہ رہا تھا۔

”آپ ان کاغذات کو واقعی نہیں پہچانتے کیونکہ....“ وہ کھٹکھٹا۔ ”میری تفتیش کے مطابق یہ مسز عصرہ نے کلائڈ اینڈ لی

میں جمع کروائے تھے۔ انہوں نے شاید آپ سے بلیٹک ڈاکومنٹ پہ سائن لیے تھے۔“

کونے میں بیٹھی کارمن نے گہری سانس باہر کو خارج کی۔ اتنے دنوں کی بے کلی تمام ہوئی۔ (تو وہ درست تھی۔ اس کے

لیڈر کو اس کی بیوی نے پھانسا تھا۔ اور اب وہ مر چکی تھی تو وہ اس کا پردہ رکھ رہا تھا۔)

”تو آپ کا یہ کہنا جھوٹ نہیں ہوگا کہ آپ نے یہ کہنی نہیں بنائی تھی۔“ وکیل کہہ رہا تھا۔ دوسرا بھی کھٹکھٹا۔

”آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ مسز عصرہ نے کیا ہے۔ یہی سچ ہے آپ ہمیں نہ بتائیں تب بھی ہمیں سب سمجھ آ رہا ہے

کہ....“

”عصرہ کا نام اس میں نہیں آئے گا۔“ وہ ایک دم سختی سے بولا۔ ”یہ دستخط میں نے ہی کیے ہیں۔ خود کو پہچانے کے لئے میں

اپنی مرحوم بیوی کو لن ہنا کے نہیں پیش کر سکتا۔“

”بے شک آپ نے دستخط کیے ہیں مگر آپ کو علم نہیں تھا سر کہ یہ کاغذ کس لیے استعمال ہوگا۔ آپ سے غلطی ہوئی ہے، جرم

نہیں۔“ جونیئر وکیل نے زور دیا۔ ”اور ان کاغذات کی قانونی حیثیت کبھی ثابت نہیں ہوگی۔ ہمیں صرف اخلاقی گراؤ بڑا ہے

اس بحث کو جیتنا ہے۔ آپ لوگوں کو صرف اتنا بتادیں کہ یہ آپ کی بیوی نے آپ سے کروایا تھا تو یہ معاملہ ختم ہو جائے گا۔ آپ

Downloaded from Paksociety.com

ملک کے اگلے وزیر اعظم ہیں سر۔“

”عوام کو اپنے لیڈر سے بہت محبت ہوتی ہے۔ وہ اس کی غلطیوں کو حسد لگائی کرنے کے بہانے کے خنجر ہوتے ہیں۔ اس کی بیوی، مشیر، دوست، کسی اور کو اس کے لیے قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں۔“

”عصرہ کا نام سچ میں نہیں آئے گا۔“ وہ تلخی سے بولا۔ آفس میں ایک افسوسناک خاموشی پھیل گئی۔

”پھر آپ کہہ دیں کہ آپ نے یہ کاغذات کبھی نہیں دیکھے۔ مہینے لگ جائیں گے انہیں یہ ثابت کرنے کے لئے کہ...“

”یہ جھوٹ ہے۔ میں نے یہ کاغذات دیکھے تھے اور خود سائن بھی کیے تھے۔“

”مگر ہم سب جانتے ہیں کہ مسز عصرہ نے دھوکے سے وہ سائن کر دائے تھے۔“

فاتح کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے اٹھا اور ان کو جانے کی اجازت دی۔ وکلاء مزید نصیحتوں کے ساتھ رخصت ہوئے مگر کارمن کھڑی رہی۔ فاتح نے اسے دیکھا تو وہ قریب آئی اور اس کے سامنے رک گئی۔

”آپ صرف مسز عصرہ کو نہیں بچا رہے۔ آپ یہ اعتراف نہیں کرنا چاہتے کہ آپ اتنے سمجھدار ہو کے بھی بلیٹک ڈاکومنٹ پہ کیسے سائن کر سکتے ہیں۔ یوں آپ naive اور بے وقوف لگیں گے، ہنا۔“ وہ اس کی نفسیات کو سمجھنا چاہ رہی تھی۔

”انسان فیملی کے لئے بہت کچھ کرتا ہے، کارمن۔“

”مگر اس وقت آپ کو اپنے لئے کچھ کرنا ہے۔ مسز عصرہ کی فکر نہ کریں۔ آپ نے کوئی جرم نہیں کیا۔ اپنے سر پہ وہ الزام نہ لیں جس میں آپ کا قصور نہیں ہے۔“ وہ تاسف سے اسے دیکھتی کہہ رہی تھی۔ ”ہائیز سر لوگوں کو سچ بتا دیں۔ سچ آپ کو بچا لے گا۔“

وہ دونوں میز کے دونوں سروں پہ کھڑے تھے۔ اور وہ نامحاذ نماز میں کہہ رہی تھی۔

”کیا تم مجھے نصیحت کر رہی ہو، کارمن؟“ وہ پتہ نہیں کیوں مسکرایا۔

”جی۔ کیونکہ آپ ہی سارا وقت ہم سب کو نصیحتیں کرتے آئے ہیں۔ جب میں کوئی مسئلہ لے کر آتی تھی تو آپ کہتے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ خوشی اور غم میں ہمیشہ سچ بولنے کی تلقین فرماتے تھے۔ یہی تو آپ کا امتحان ہے کہ اس موقع پہ آپ سچ بولتے ہیں یا نہیں۔“

”سچ بولنے کے نتائج ہوتے ہیں، کارمن۔“ اسے پہلی دفعہ فاتح کی آنکھوں میں زخمی پن نظر آیا۔ اس کا دل دکھ گیا۔

”تو پھر آپ کیا کریں گے، سر؟“

”خاموشی سے کھڑی کی سونیوں کو سننے کا انتظار۔“ وہ واپس کرسی پہ بیٹھا اور عینک اٹھاتے ہوئے قائل کھول لی۔ یہ اشارہ تھا

Downloaded from Paksociety.com

کہ کارمن اب جاسکتی ہے۔ وہ مجھے دل کے ساتھ باہر آگئی۔

☆☆=====☆☆

ملا کہ اس دوپہر ٹھنڈی دھوپ میں چمک رہا تھا۔ شاہراہ پہ ٹریفک زور و شور سے رواں دواں تھی۔

ایسے میں ایک فون بوتھ کے اندر کھڑا ایڈم ریسورکان سے لگائے ہاتھ کرنا نظر آ رہا تھا۔ اس نے سر پہ پی کیپ پہن رکھی تھی اور چہرے پہ فکر مندی کے واضح آثار تھے۔

”تمہاری ماں شہر چھوڑنے کے لئے راضی نہیں تھی مگر....“ دوسری جانب اس کا باپ کہہ رہا تھا۔ ”آج صبح....“

”میں جانتا ہوں آج صبح کیا ہوا ہے۔ مجھے اطلاع مل گئی ہے۔“ وہ تلخی سے کہہ رہا تھا۔ ”وہ لوگ ہمارے گھر تک آن پہنچے ہیں۔“

”وہ ہمیں مارنا نہیں چاہتے تھے۔ گولیوں سے صرف کھڑکیوں کے شیشے توڑے اور چلے گئے۔“

”گولیاں اندھی ہوتی ہیں۔ کسی کو لگ جائیں تو نیت بے معنی ہو کے رہ جاتی ہے۔“ وہ غصے بھری بے بسی سے کہہ رہا تھا۔ ”باپا..... پلیز.... آپ....“

”میں جانتا ہوں۔ میں نے تمہاری لہو کو سمجھایا ہے۔ ہم آج ہی کے ایل چھوڑ کے چارے ہیں۔ مگر تم....“

”میں آپ کے ساتھ نہیں آ سکتا۔ یہ میرا دوست جس کے گھر یہ اس وقت میں کال کر رہا ہوں یہ آپ کو بحفاظت گاؤں پہنچا دے گا۔ میرا آپ سے دور رہنا بہتر ہے کیونکہ ٹارگٹ میں ہوں۔ میں دور رہوں گا تو وہ آپ کی طرف نہیں آئیں گے۔“ پھر خیال آیا۔ ”آپ کو اس گھر میں آتے کسی نے دیکھا تو نہیں؟“

”نہیں۔ تمہارا دوست مجھے بازار میں ملا تھا اور احتیاط سے یہاں لایا تھا کیونکہ تم نے کال کرنی تھی۔“ محمد صاحب نے وقفہ دیا۔ ”ایڈم.... ہم تمہارا انتظار کریں گے۔ جب یہ لوگ تمہارا پیچھا چھوڑ دیں تو ہمارے پاس چلے آنا۔ تم ہماری ساری زندگی کی کمائی ہو۔“

ایڈم کی پلکیں بھینکنے لگیں۔ ”میں آ جاؤں گا‘ باپا۔ بس پہلے مجھے کچھ کام کرنے ہیں۔“ اس نے فون رکھا اور آنکھیں بند کیں۔ ٹوٹے دل کا ایک آنسو دل پہ ہی گر کے جذب ہو گیا۔ کیا وہ زندہ سلامت اپنے ماں باپ کے پاس واپس جاسکے گا؟ اسے اب یقین نہیں رہا تھا۔

وہ ابھی تک تالیہ کو ڈھونڈ نہیں پایا تھا۔ تالیہ دوسری دفعہ کھوئی تھی اور دونوں دفعہ وہ اسے تلاشنے میں ناکام ٹھہرا تھا۔

کیسا دوست تھا ایڈم بن محمد؟

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

وہ صبح کھتی تھی کہ اگر اس کی جگہ ایڈم کو کچھ ہوتا تو وہ کیا کچھ نہ کر ڈالتی۔ وہ کبھی آرام سے نہ بیٹھتی اور....

ایڈم نے چونک کے آنکھیں کھولیں۔ وہ چمکیلی دھوپ میں ہنوز فون بوتھ میں کھڑا تھا۔ شیشے کے بند ڈبے میں اور اس کے دونوں اطراف میں گاڑیاں آ جا رہی تھیں۔ مگر اسے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

اس نے موبائل نکالا اور فاتح کو پیغام لکھا۔ ”مجھے معلوم ہے چے تالیہ کو کیسے ڈھونڈنا ہے۔“

داتن کی طرح وہ تالیہ سے رابطے کے طریقے نہیں جانتا تھا۔ مگر وہ ”تالیہ“ کو جانتا تھا۔ اور جو وہ جانتا تھا وہی اسے تلاش کرنے کی کنجی تھی۔

☆☆=====☆☆

کتابوں کا مقبرہ موم بتیوں سے نیم روشن تھا۔ ایک بلب بھی کونے میں جل رہا تھا جس کے نیچے زمین پہ اکڑوں بیٹھی تالیہ ایک کتاب کی ورق گردانی کرتی دکھائی دے رہی تھی۔ آج اس کے کپڑے مختلف تھے۔ اس نے سیاہ ٹراؤزر پہ کھلے بازوؤں والی بھوری قمیض پہن رکھی تھی اور ہال پونی میں بندھے تھے۔ چہرہ ویسا ہی بے رونق تھا اور کتاب پکڑے ہاتھوں میں سرخ یا قوئی انگوٹھی دکھائی دیتی تھی۔

آہٹ پہ اس نے نظریں اٹھائیں تو ذوالکفلی اوپری زینے پہ کھڑا تھا۔ اتنی دور سے وہ اس کی کتاب کا سرورق نہیں دیکھ سکتا تھا مگر تالیہ نے پھر بھی نا محسوس انداز میں کتاب نیچے کی۔

”کیا ہوا؟“ (اور کتاب پیچھے گول مول رکھے لحاف میں چھپائی۔)

”تمہارا دوست..... ایڈم..... وہ ایک خط چھوڑ گیا ہے۔“ ذوالکفلی نے خط اوپری زینے پہ رکھا اور خود مڑ گیا۔ تالیہ کتب خانے کے دوسرے سرے پہ تھی۔ اس کے اور زینوں کے درمیان طویل فاصلہ حائل تھا۔

”تم مجھے یہ دینے نیچے بھی آ سکتے تھے۔“ اس نے بھنویں جڑھا کے اس فاصلے کو دیکھا۔

”پھر تمہیں کیسے علم ہو گا کہ تم اس خط کو پڑھنے کے لئے کتنی بے تاب ہو۔“

وہ بے نیازی سے کہہ کے واپس اوپر چلا گیا اور ٹریپ ڈور بند کر دیا۔

تالیہ تیزی سے اٹھی اور دوڑ کے زینوں تک آئی۔ پھر دھڑکتے دل سے زینے پھلاتی گئی۔ لکڑی کے چٹختنے کی ہلکی ہلکی سی آواز آتی تھی۔

اوپری زینے پہ بیٹھ کے اس نے خط اٹھایا اور کھولا۔

”ڈنیرا نیچے ذوالکفلی۔“

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

WWW.PAKSOCIETY.COM

RSPK.PAKSOCIETY.COM

ONLINE LIBRARY

FOR PAKISTAN



PAKSOCIETY1



PAKSOCIETY

میں نہیں جانتا کہ آپ میرا یہ خط چھتالیہ تک پہنچا سکتے ہیں یا نہیں کیونکہ آپ شاید سمجھتے ہوں کہ میں
چھتالیہ کو اس لئے تلاشنا چاہتا ہوں تاکہ ان کو سرینڈر کرنے کا مشورہ دے سکوں۔ جبکہ ایسا نہیں ہے۔
اسے میری خود غرضی کہہ لیں یا کیا، مگر میں ان کو اپنے لئے ڈھونڈنا چاہتا ہوں۔ میں مشکل میں ہوں۔
میری جان کو خطرہ ہے۔ مجھے یہ قاتلانہ حملے بھی ہو چکے ہیں اور میرے ماں باپ کو کے ایل چھوڑنا پڑ گیا ہے۔
مجھے نہیں معلوم میں اپنی زندگی کے لیے کیا کروں۔ میں بالکل بھی وہ سیلیرٹی
رپورٹر نہیں رہا جو عوام کو چند ماہ سے دیکھنے کو مل رہا ہے۔ میں ایک کم ہمت اور جلدی ہار مان جانے والا
وہی ہاڈی مین بن گیا ہوں جو چھتالیہ کو پہلی دفعہ ملا تھا۔ مجھے ان کی ضرورت ہے۔
میں آج رات گیارہ بجے ان کا اسی جگہ انتظار کروں گا جہاں وقت میں سفر سے پہلے ہم ملے
تھے اور تب تک انہوں نے مجھ سے سچ نہیں بولا تھا۔

فقط

شاہی مورخ۔“

اس نے خط واپس تہہ کیا اور گہری سانس لی۔ پھر گھڑی پہ وقت دیکھا۔ گیارہ بجتے ہیں ابھی کافی وقت تھا اور اب... ایڈم کی
اس ”مدد کی پکار“ کے بعد اگر وہ تالیہ مراد تھی تو وہ اس کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔
اس نے چہرہ گھٹنوں پہ ٹکا دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔
وہی یاد نظروں کے سامنے چلنے لگی۔
وہ ریسٹوران کے مصنوعی جھونپڑے میں داتن کے سامنے بیٹھی تھی... دونوں کی قبوے کی بیالیاں گرم تھیں۔
اتاؤ نے جھونپڑے کی بتیاں مدھم کر دی تھیں... اور خالی دیوار پہ ایک منظر چلنے لگا تھا.....
سڑک کنارے چیری بلاسم کے درختوں کی قطار... اور نیچے گھاس پہ گلابی سفید پھولوں کی چٹھی تہہ... ہوا چل رہی تھی اور
پھول گرتے جا رہے تھے.... دھیرے دھیرے.... ایک ایک جی....
”تم... تم ٹھیک ہو داتن؟“

فضا میں جھینگے تلنے کا شور تھا۔ اور ان کی اشتہا انگیز مہک بھی۔ قبوے کی بیالی سے اڑتی بھاپ ان دونوں کے درمیان بار
بار حائل ہوتی، پھر چھٹ جاتی۔

”یہ کینسر کی دوا ہے اور یہ بوتل تمہاری ہے۔ تم کینسر کی دوا کیوں لے رہی ہو؟“

Downloaded from Paksociety.com

پیانو رک گیا۔ جھینگے تلنے کا شور خاموش ہو گیا۔ ایک لمحے کے لیے ساری آوازیں دھتوڑ گئیں۔

”تم سن کے ہرٹ ہوگی۔ اسی لیے میں نے تم سے چھپایا۔“

پیانو تیز ہو گیا۔ کاؤنٹر پہ کھڑا تاؤ ٹھک ٹھک سوٹی رول کو چھوڑے سے کاٹنے لگا۔ دیوار پہ ابھی تک پھول گرتے نظر آرہے تھے۔ اور سوٹی رول کٹنے کی آوازیں..... ٹھک ٹھک ٹھک.....

تالیہ نے آنکھیں کھولیں تو خود کو تہہ خانے کے زینے پہ بیٹھے پایا۔ اس نے پھر سے گھڑی دیکھی۔ گیارہ بجتے ہیں کافی وقت تھا۔

اسے یاد تھا وہ دونوں کہاں ملے تھے۔ ملکہ یاں سوفو کے کنوین پہ جہاں ایڈم نے اسے سکھایا تھا۔ اچھا لے کو کھا تھا کیونکہ جو سکھ اچھا لے ہے وہ ملا کہ دوبارہ واپس ضرور آتا ہے۔ اور تالیہ نے سکھ نہیں اچھا لے تھا۔ پھر بھی وہ ملا کہ واپس آگئی تھی۔ کئی دفعہ۔ ایک دفعہ پھر اسے اس کنوین پہ جانا تھا۔ ایڈم کے لئے۔ وہ اسے تنہا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

☆☆=====☆☆

مغرب کی نیلا ہٹ وان فاتح کی رہا نگاہ پہ پھیلی تھی۔ اس کا گھر سونا سونا اور ویران سا لگتا تھا۔ وہاں ایسی خاموشی تھی جیسی ان عجائب گھروں میں ہوتی ہے جہاں بچوں کا داخلہ منع ہوتا ہے۔

اس کے بچے چلے گئے تھے اور وہ گھر کی ساری رونق لے گئے تھے۔ وہ اپنی اسٹڈی میں تنہا بیٹھا تھا۔ شرٹ کے آستین موڑے، ٹائی ڈھیلی کیے، وہ کہنیاں میز پہ جمائے لیپ ٹاپ پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ اس کے تاثرات عجیبہ اور سپاٹ تھے۔ ان سے اندرونی جذبات کا اندازہ نہیں ہوتا تھا۔

وہ تحریر مختصر تھی۔ ختم کر کے اس نے پرنٹ کاٹن دہایا۔ پرنٹرز زوں کی آواز کے ساتھ اس کے الفاظ سے ایک کورا صنف رنگین کرنا گیا۔ کاغذ کو باہر آنے میں چند لمحے لگے۔ یہ چند لمحے بہت بھاری تھے۔

پھر اس نے قلم کی ٹوک صفحے کے نچلے حصے پہ رگڑی۔ ٹوک نے سیاہی کو اس کے دستخط میں تبدیل کیا اور سارے فیصلے خود بخود ہوتے گئے۔

اس نے سیاہی کو سوکھے دیا۔ پھر سست روی سے اس کاغذ کو تہہ کیا۔ لفافے میں ڈالا۔ اور اس پہ لکھا ”کارمن... پرائیوٹ اینڈ کانفیڈنشل“۔ پھر اسے سیل کیا اور گھنٹی بجائی۔

چند لمحوں بعد بٹلر نے امدار جھانکا۔ ”جی سر؟“

”یہ لفافہ میں اسٹڈی کے پہلے دروازے میں رکھ رہا ہوں۔ کل ویک اینڈ ہے۔ تم سوموار کی صبح اسے کارمن کے حوالے کرو“

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

گے۔ یہ ایک امانت ہے۔“

”آپ کہیں جا رہے ہیں سر؟“

”میں سووار تک واپس آ جاؤں گا۔ امید ہے۔“ توقف کے بعد اضافہ کیا۔

بھاری لفافہ دراز میں رکھ کے اس نے دراز بند کیا تو گویا سارے فیصلے خود بخود دھوئے گئے۔

☆☆=====☆☆

ملکہ یان سو فو کا کتواں رات کے اس پہر ویران پڑا تھا۔ سیاح دن کے وقت آتے تھے اور اب گیٹ بند ہو چکے تھے۔ پھر بھی اندر داخل ہونے والے راستے نکال لیتے تھے۔

یہ ایک قدیم طرز کا کھلا سامکن تھا جس کے وسط میں کتواں بنا تھا۔ احاطہ ویران پڑا تھا اور اوپر آسمان خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

احاطے کے ایک طرف دیوار میں راستہ تھا جو مندر کی طرف جاتا تھا۔ اس کی چوکھٹ پہ ایک ہیولہ سا کھڑا تھا۔ سیاہ لبادے پہ سیاہ پنڈ پہنے ایک لڑکی جو احتیاط سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

وہ اندر نہیں جا رہی تھی۔ اسے کچھ دیر یہیں چھپ کے ایڈم کا انتظار کرنا تھا۔ ایڈم کو سامنے سے آنا تھا اور وہیں سے گزر کے کنویں تک جانا تھا۔ وہ پہلے اسے اندر آنے دینا چاہتی تھی۔

دفعتاً ہلکی سی آہٹ ہوئی۔ پھر قدموں کی آواز آئی۔ آواز کافی واضح تھی جیسے نوار کو چھپنے یا ملاقات کو خفیہ رکھنے میں دلچسپی نہ ہو اور وہ اعتماد سے چلتا آرہا ہو۔

تالیہ کی اندھیرے میں دیکھتی آنکھیں اچنبھے سے چھوٹی ہوئیں۔

یہ ایڈم کے چلنے کا انداز نہ تھا۔ اور اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں۔

وان قاتح احاطے میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے سیاہ پنٹ پہ سیاہ جیکٹ پہن رکھی تھی۔ اور جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ ادھر ادھر دیکھتا کنویں کی طرف بڑھ رہا تھا۔

وہ دم سادھے اسے دیکھے گئی۔ وہ کنویں تک آیا اور اس کی منڈیر کے کنارے پہ بیٹھا۔ کنویں کی سطح جالی سے ڈھکی تھی۔ وہ مڑ کے جالی کے نیچے گہرے کنویں کو دیکھ کے بولا۔

”باہر آ جاؤ تالیہ..... مجھے تم سے بات کرنی ہے۔“

اس کا انداز پرسکون تھا۔ اس میں محکم بھی تھا اور اپنائیت بھی۔

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

تالیہ کے حلق میں کچھ اٹکنے لگا مگر اس نے تھوک نکالا اور سارے آنسو اندر اتارے۔ پھر ہنڈ پیچھے کو گرائی اور باہر آئی۔
اندھیرے سے چاندنی کا سفر اس نے لمحوں میں کیا۔ یہاں تک کہ وہ اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔
وہ منڈیر پہ بیٹھا ابھی تک گردن موڑے کنویں کے اندر جھانک رہا تھا۔

”یہ ملا کہ کی ایک ملکہ یان سو فو کا کنواں تھا جو اس کے لئے سن ہاؤانگ لی نے تعمیر کروایا تھا۔ یان سو فو شاہ چین کی بیٹی تھی
اور ملا کہ میں وہ خود کو اجنبی محسوس کرتی تھی۔ غیر فارز۔“

کہتے ہوئے اس نے گردن موڑی اور مدھم مسکراہٹ کے ساتھ سامنے کھڑی تالیہ کو دیکھا جو جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ
ڈالے چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔ سیاہ بال پونی میں بندھے تھے اور چہرے سے وہ مرجھائی ہوئی لگتی تھی۔

”تم نے جو سونے میں لکھی کتاب مجھے پڑھنے کے لئے دی تھی اس میں لکھا تھا کہ ملکہ یان سو فو ملا کہ میں کسی پہ اعتبار نہیں
کرتی تھی۔ وہ ہر ایک کو اپنا دشمن سمجھتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ ہمیشہ خود کو خود پہچائے کیونکہ اس کا ماننا تھا کہ کوئی کسی کو پہچانے نہیں
اتا۔“

”کوئی کسی کو پہچانے آیا بھی نہیں کرتا۔“ وہ تلخی سے زیر لب بولی مگر منڈیر پہ بیٹھے شخص نے سن لیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں
واضح فکر مندی ابھری تھی۔

”مگر... کبھی تو... کبھی تو تالیہ انسان کو دوسروں کو موقع دینا چاہیے کہ وہ اسے پہچائیں۔ کیا ایک دفعہ تم وان فاتح پہ اعتبار نہیں
کر سکتیں؟“

وقت ختم کیا۔ کنواں خاموش تھا اور آسمان پہ چاندنی پھیلی تھی۔ اس چاندنی کے ہالے میں فاتح کا چہرہ روشن دکھائی دیتا تھا۔
”کیا ایک دفعہ تم مجھ اپنی مدد نہیں کرنے دے سکتیں؟“

وہ آہستہ سے اس کے ساتھ بیٹھی۔
بہت کچھ یاد آیا۔

کبھی وہ ابوالخیر کی حویلی کی منڈیر پہ یونہی بیٹھتے تھے اور قدیم ملا کہ کو اپنے سامنے پھیلے دیکھتے تھے۔ مگر سارا مسئلہ یہی تھا کہ
اسے سب یاد تھا اور فاتح کو (اس نے چہرہ موڑ کے زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔) فاتح کو کچھ یاد نہیں تھا۔

”ایڈم.... کیوں نہیں آیا؟“ وہ بولی بھی تو یہی۔ یوں لگتا تھا ایک زمانے بعد وہ اس سے ملی ہے۔
”اسے نہیں آتا تھا۔ اس کو یہ ملاقات کروانے کے لیے میں نے کہا تھا۔“ وہ سادگی سے کہہ رہا تھا۔ وہ دم سادھے اسے

دیکھے گئی۔

”آپ کیسری ای میل مل گئی تھی؟ اسی لئے آپ نے اس دن کہا تھا کہ میں بھاگ جاؤں؟“

”مجھے تمہاری بے گناہی پہ یقین کرنے کے لئے اس ای میل کو پڑھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ جس تالیہ کو میں جانتا ہوں جو اتنے مجینوں سے میرے لئے کام کرتی رہی ہے وہ کسی کو قتل نہیں کر سکتی۔“

تالیہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور اس کا دل ڈوب سا گیا۔ وہ صرف اپنی چیف آف اسٹاف کو جانتا تھا۔ وہ شہزادی تاشہ کو نہیں جانتا تھا۔

”آپ کو واقعی میرا یقین ہے۔“

”ہاں۔ میں نہیں جانتا عصرہ کو کس نے مارا ہے مگر....“

”انہوں نے خودکشی کی ہے۔“ وہ ایک دم بول پڑی۔ فاتح کے ابرو اٹھٹھے ہوئے۔

”ایسا نہیں ہو سکتا۔“

”نہ یقین کریں۔ آپ کو تو اس بات کا یقین بھی نہیں آئے گا کہ مسز عصرہ نے ہی آریا نہ کو....“ اس نے تلخی سے کہہ کے سر

جھٹکا اور سامنا مدھیرے میں ڈوبی خستہ حال دیوار کو دیکھنے لگی۔

”مجھے ذوالکفلی نامی آدمی نے وہ تحریر دی تھی جو میں تمہارے لئے اس کے حوالے کر گیا تھا۔ اس رات میں جو میری

یادداشت سے کھو چکی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کتنا سچ اور کتنا جھوٹ ہے مگر میں عصرہ کے بارے میں بات کرنے نہیں آیا۔“

اس کا لہجہ قطعی تھا۔ تالیہ چپ چاپ سامنے دیکھ رہی تھی اور وہ اس کو

”میں تمہارے بارے میں بات کرنے آیا ہوں۔“

”آپ اس اسکیڈل سے خود کو کیوں نہیں نکالتے؟“ تالیہ نے جیسے سنا ہی نہیں تھا۔ ”میں کافی دن سوچتی رہی کہ ان

کاغذات پہ آپ کے دستخط کیسے آگئے۔ ہینا کسی نے نقلی دستخط کیے ہوں گے۔ مگر.... مگر پھر مجھے احساس ہوا کہ شاید وہ آپ

نے ہی کیے ہوں۔ کدے کاغذ پہ۔“

اس نے چہرہ موڑ کے فاتح کی آنکھوں میں دیکھا اور تلخی سے مسکرائی۔

”مسز عصرہ نے آپ سے کدے کاغذ پہ دستخط لیے تھے؟“

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ دستخط تو میرے ہی ہیں۔“ وہ سادگی سے شانے اچکا کے بولا۔

”فرق پڑتا ہے۔“ وہ افسوس سے بولی۔ ”آپ مسز عصرہ کو کد کرنے کے لئے سارا الزام اپنے سر نہیں لے سکتے۔ یہ

جھوٹ ہوگا۔ آپ کو لوگوں کو حقیقت بتانی پڑے گی۔“

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”میرے دو بچے ہیں، تالیہ۔“

”وہ سردائیو کر لیں گے۔ آپ ان کے ساتھ ہوں گے تو وہ ہر چیز برداشت کر لیں گے۔ پلیز اپنا کیرئیر اس جرم کے لئے

تباہ نہ کریں جو آپ نے نہیں کیا۔“

”صوفیہ رحمن کی آف شور کمپنی بھی سامنے آئی تھی۔ وہ ابھی تک تخت پہ براجمان ہے۔ اس کا کیریئر تو برباد نہیں ہوا۔“

”کیونکہ وہ لیڈر نہیں ہے۔ لوگ اس سے سچائی کی توقع نہیں کرتے۔ مگر آپ کے لئے لوگوں کے پیانے مختلف ہیں۔ وہ

آپ کو عظمت اور سچائی کے جس معیار پہ بٹھا چکے ہیں، وہ آپ کو اس سے نیچے برداشت نہیں کر پائیں گے۔ اس جرم کو تسلیم

کرنے سے آپ اپنے لوگوں کا اعتبار کھو دیں گے۔ ہم دونوں جانتے ہیں کہ آپ سے دھوکے سے سائن کروائے گئے تھے۔

پلیز، فاتح... خود کو بچائیں۔“

وہ تالیہ کو دیکھ کے نرمی سے مسکرایا۔

”آج تم میری چیف آف اسٹاف کی طرح بول رہی ہو۔ کیا تم اپنی جاب کو مس کر رہی ہو؟“

شہزادی کے تاثرات بدلے۔ ماتھے پہ ہل پڑا اور ناک نخوت سے سکڑی۔

”مشورہ دے رہی ہوں۔ مفت تھا۔“ لور کندی اچکا کے ناراضی سے سامنے دیکھنے لگی۔ ”اُفسوس ہو رہا ہے مجھے آپ کے

لیے۔ آپ اتنے عقلمند ہو کے بغیر سوال و جواب کے کسی کے دیے ہلینک ڈاکومنٹ پہ کیسے دستخط کر سکتے ہیں؟ یا اللہ!“

فاتح نے داب نہیں دیا۔ وہ بھی سامنے موجود اس کنڈر زوہ دیوار کو دیکھے گیا۔

”تم کبھی ہانامی کے دنوں میں جاپان گئی ہو، تالیہ؟“

”چیری بلاسم سیزن میں؟ نہیں..... مگر میں نے ملایشیاء میں ساکورا کے پھولوں کو گرتے دیکھا ہے۔“

”میں نے بھی۔“ وہ خاموش ہو گیا۔ ارد گرد پھیلا اندھیرا ہل بھر کے لئے چھٹ سا گیا۔

وہ سڑک کنارے بیٹھا تھا۔ فضا میں پھولوں کی خوشبو تھی۔ سڑک پہ چیری بلاسم کی تہہ چھٹی تھی۔ قریب سے گزرتے بچے

کے جوتے کچھ چھنکار رہے تھے..... وہ ہاتھ میں پکڑی کاشن کینڈی کی اسٹک گول گول گھما رہا تھا..... کاشن کینڈی بالکل چیری بلاسم

کی طرح تھی.... اتنی نازک کہ ہاتھ لگانے سے فنا ہو جاتی تھی.....

عصرہ کے بیٹھنے سے فاتح کی کافی چھلکی تھی.... ایک ذمین بوس پھول داغدار ہو گیا تھا.....

”کیا تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے؟“ وہ قائل اس کی طرف بڑھائے کہہ رہی تھی۔ فاتح نے قائل کھولی تو ڈھیر سارے پھول

چھم سے نیچے آن گرے۔ اس نے آستین سے صفحے سے پھول ایک طرف ہٹائے....

Downloaded from Paksociety.com

”کیا سوچ رہے ہیں؟“ تالیہ کی آواز پیدہ چونکا۔

”بھی کس نے کاغذات سائن کروانے سے پہلے کیا کہا تھا۔“

وہ دونوں اندھیر کنویں کے دہانے پہ بیٹھے تھے اور سامنے کافی زدہ خستہ حال دیوار انہیں دیکھ رہی تھی۔

”کیا کہا تھا؟“ تالیہ نے گردن موڑ کے اس کا چہرہ دیکھا۔ فاتح کافی خاموش رہا۔ اتنی دیر کہ تالیہ کو اپنا سوال بھول گیا۔

”تم جانتی ہو چیری بلاسم کس شے کی ملامت ہیں؟“

”جوانی میں جلد مر جانے کی؟“

”ہاں اور زنا کثرت کی بھی۔ یہ اتنا نازک ہوتا ہے کہ زیادہ دیر موسم کی سختی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ ہار مان جاتا ہے اور گر جاتا

ہے۔ شاید اس لئے کہ یہ کسی اور کو موقع نہیں دیتا کہ وہ اسے بچالے۔ یہ صرف خود پہ ہی انحصار کرتا ہے مگر کوئی انسان ہر دفعہ

اپنے آپ کو خود ہی نہیں بچا سکتا۔“

”میں چیری بلاسم نہیں ہوں“ تو انکو۔“ عرصے بعد وہ لفظ منہ سے نکلا۔

”مگر تم چیری بلاسم کی طرح زمانے کی ساری سختی کو اکیلے جھیلنے کا فیصلہ کر چکی ہو۔ ایسے تم گر جاؤ گی تالیہ۔ ختم ہو جاؤ گی۔“

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ سارے موسم رک گئے تھے۔ وقت ان کے اس پاس ٹھہر گیا تھا۔

”ہر انسان کو خود کو خود ہی بچانا پڑتا ہے۔“

”ہر دفعہ ایسا نہیں ہوتا۔“ وہ زور دے کر بولا۔ ”تم زندگی کے سارے مسئلوں سے اکیلے نہیں لڑ سکتیں۔ فیملی، دوست، یہ سب

کس لئے ہوتے ہیں اگر یہ ہمارے ساتھ ہماری جنگیں نہ لڑ سکیں؟“

”مگر ہر انسان اکیلا ہی ہوتا ہے۔ اسے....“

”ایک دفعہ تالیہ.... ایک دفعہ تم مجھے خود کو بچانے دو۔“ وہ اس کی طرف ترچھا رخ موڑے زور دے کر کہہ رہا تھا۔ ”ایک

دفعہ تم ہر کسی کو اپنی زندگی سے شٹ آؤٹ کرنے کی بجائے... مجھے اپنی مدد کرنے دو۔“

”آپ مجھے اس میں سے نہیں نکال سکتے۔“ اس کی آنکھیں بھینکنے لگیں۔ ”سبز عصر مجھے بہت برا پھنسا گئی ہیں۔“

”میں تمہیں اس میں سے نکال سکتا ہوں اگر تم مجھ پہ اعتبار کرو۔“

”آپ کیا کر سکتے ہیں؟“

”تم مجھ پہ اعتبار تو کر کے دیکھو۔ میں سب ٹھیک کر لوں گا۔“ وہ دھیمی آواز میں قطعیت سے کہہ رہا تھا۔

”اچھا.... آپ بتائیں.... کیا کروں میں؟“ تالیہ نے کندھے اچکائے۔

Downloaded from Paksociety.com

”میں نے اس وقت تمہیں کہا تھا کہ بھاگ جاؤ کیونکہ تم غلط وقت پہ غلط جگہ موجود تھیں، مگر میرا خیال تھا کہ تم وہاں سے گھر جاؤ گی اور.... جب پولیس آئے گی تو تم....“

”تو میں گرفتاری دے دوں گی؟“ اس کی آنکھیں بے یقینی سے کھلیں۔

”تمہیں اپنا بیان دینا چاہیے تھا۔ وکیل اگلے روز تمہاری ضمانت کروالیتا۔ تم اس سب کا سامنا کر سکتی تھیں بجائے بھاگنے کے۔ تم اب بھی یہ کر سکتی ہو۔“

وہ بے بسی بھرے اصرار سے کہہ رہا تھا۔ ”اب بھی“ کے الفاظ پہ تالیہ بدک کے کھڑی ہوئی اور دو قدم پیچھے ہٹی۔

”آپ چاہتے ہیں میں اس جہنم میں دوبارہ چلی جاؤں جہاں سے میں اتنی مشکل سے نکلی تھی؟ میں مصر تک گئی... اتنی دور.... اپنی آزادی خریدنے.... اور وہاں بھی میں اتنے دن اس خوف سے لڑتی رہی جو اس قید خانے نے میرے دل میں بٹھا دیا تھا۔ اور آپ چاہتے ہیں کہ میں دوبارہ اس میں چلی جاؤں؟“

”کیا تم ایک دفعہ میرا اعتبار نہیں کر سکتیں؟“ وہ بھی کھڑا ہو گیا اور افسوس سے اسے دیکھا۔ ”مجھے موقع دو خود کو بچانے کا۔ میں تمہیں اس سب سے نکال لوں گا۔“

مگر تالیہ مراد نے نفی میں سر ہلایا۔ ”میں دوبارہ اس جہنم میں نہیں جاؤں گی۔“ وہ ایک دم ہراساں نظر آنے لگی تھی۔

”تو تم کیا کرو گی؟ تم ملک سے باہر نہیں جا سکتیں۔ تم مجھ سے دن کی روشنی میں نہیں مل سکتیں۔ تم سر اٹھا کے یہاں چل نہیں سکتیں۔ تم ہر ایک سے کٹ کے خوف سے بھاگتے ہوئے کیسے مدد کی گزارش کرو گی؟“

”دولت کی قید میں جانے سے پہلے میں اپنی اس زندگی کو ختم کرنا بہتر سمجھوں گی۔“ وہ غرا کے بولی اور پھر سناٹا چھا گیا۔

وان فاتح کے چہرے پہ بے یقینی ابھری۔ پھر اس نے سر جھٹکا۔

”کم از کم تم اپنی زندگی خود ختم نہیں کر سکتیں۔“ اس نے جیسے ماننے سے انکار کیا۔

”کیوں سمجھتے ہیں آپ سب مجھے اتنا بہادر اور مضبوط؟ کیوں لگتا ہے آپ کو کہ تالیہ مراد آپ اپنی زندگی سے مایوس نہیں ہو سکتی؟“ اسے اس بات نے غصہ دلایا تھا۔

اور اسی وقت باہر شور سا مچا۔ جلتی بجھتی نیلی سرخ بتیاں پولیس کے سائرن۔ تالیہ چونکی اور پھر..... اس نے بے یقینی سے فاتح کو دیکھا۔

”آپ مجھے پکڑوانے آئے تھے؟ آپ نے.... آپ نے پولیس بلالی۔“

”فارگاڈ سیک... میں نے نہیں بلایا ان کو۔ شاید وہ کسی طرح میری لوکیشن ٹریک کر رہے ہوں گے۔“

Downloaded from Paksociety.com

مگر تالیہ نے بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے ہڈ سر پہ گرائی۔ ”آپ مجھے گرفتار کروانا چاہتے ہیں؟ کیا آپ نے دولت سے ساز باز کر رکھی تھی؟ اور میں ایڈم پہ اعتبار کر کے یہاں چلی آئی۔“

”نہیں تالیہ۔“ وہ زور دے کر بولا۔ ”پلیز.... مت جاؤ۔ ان کا سامنا کرو۔ تم بے گناہ ہو، میں تمہیں بچالوں گا۔“
مگر وہ مڑ چکی تھی۔ اس کے قدم دیوار کی طرف اٹھ رہے تھے۔ کنویں کے پاس کھڑا شخص بے بسی سے آخری دفعہ بولا۔
”تالیہ.... مت جاؤ.... میرے ساتھ رہو۔“

وہ الفاظ.... وہ لہجہ.... وہ اس کے دل کو دھکا دے گیا مگر اس کے قدم اب نہیں قہم سکتے تھے۔ چند لمحوں میں وہ دیوار پھانڈ کے اندر پھیرے میں غائب ہو چکی تھی اور وہ ان فاتح تنہا کھڑا رہ گیا تھا۔

کچھ ٹاپے یونہی گزر گئے پھر وہ احاطے سے باہر نکلا اور مرکزی ہال تک آیا جہاں بارہ دری بنی تھی۔ اس کی چوکھٹ پہ رک کے اس نے باہر سڑک کی طرف دیکھا۔

سڑک کنارے کسی کا ایکسیڈیڈ ہوا تھا اور وہاں ایک لمبوی لینس کھڑی دکھائی دے رہی تھی جو زخمی کو لینے آئی تھی۔ ساتھ میں پولیس کی ایک ہائیک بھی موجود تھی۔

”اوہ تالیہ!“ اس نے کراہ کے آنکھیں بند کیں اور آنسوؤں سے سر جھٹکا۔

☆☆=====☆☆

وہ دبے قدموں ذوالکفلی کے گھر کا دروازہ کھول کے اندر داخل ہوئی تو دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ دروازہ بند کر کے اس نے کمر سے پشت نکائے چند گہرے سانس لیے پھر ہڈ اتاری اور رہداری میں آگے بڑھی۔

دیوان خانے کی بجلی چلی تھی۔ وہ پہلے اس طرف آئی تاکہ ذوالکفلی سے بات کر سکے مگر چوکھٹ پہ ٹھہر گئی۔

وہاں ذوالکفلی کے ساتھ فرش پہ ایڈم بیٹھا تھا۔

وہ چند ٹاپے کے لئے بالکل ساکت ہو گئی۔ پھر سوالیہ نظروں سے ذوالکفلی کو دیکھا جس نے کندھے اچکا دیے۔ ”یہ نوجوان بہت مزیدی واقع ہوا ہے۔ میں اسے گھر سے نہیں نکال سکا۔“

ایڈم اسے دیکھ کے اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں چند لمحے ادا سی سے ایک دوسرے کو دیکھے گئے پھر وہ سر کو ہلکا سا خم دے کر بولا۔
”شہزادی!“ اور مسکرایا۔

تالیہ جواب میں تمکنت سے سر نہیں جھٹک سکی جیسے قدیم ملاکہ میں جھٹکا کرتی تھی۔ بس چپ چاپ آگے آئی اور فرش پہ بیٹھ گئی۔ وہ بھی سامنے بیٹھ گیا تو ذوالکفلی اٹھ کھڑا ہوا۔

Downloaded from Pakvociety.com

”تم پریشان لگ رہی ہو۔ میں تمہارے لئے سوپ لاتا ہوں۔“ بوڑھے جادوگر نے اپنی توپی سر پہ جمائی اور ہا ہر نکل گیا۔ دیوان خانے میں خاموشی چھا گئی۔ وہ دونوں آمنے سامنے فرشی نشست پہ بیٹھے تھے۔ سمجھ نہیں آتا تھا بات کہاں سے شروع کریں۔

”تم نے کہا تم مشکل میں ہو....“

”وہ تو ہوں۔“

”اور تم نے وہاں کنویں پیدان فاتح کو بھیج دیا....“

”آپ دونوں کا ملنا ضروری تھا۔“

”اور انہوں نے پولیس بلا لی؟“ تالیہ نے شا کی نظروں سے اسے دیکھا۔

ایڈم کے ابرو تھیر سے اٹھے۔ ”کیا؟“

”وہ چاہتے ہیں کہ میں گرفتاری دے دوں۔“ پھر وہ چوکی۔ ”تم بھی جی چاہتے ہو کیا؟ کیا ادھر بھی تم پولیس کو لے آؤ گے جو....“ وہ بدک کے اٹھنے لگی۔

”فہمیں چپے تالیہ۔“ وہ تیزی سے بولا۔ ”مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ پولیس کو بلا لیں گے ورنہ میں ان کو کبھی آپ سے ملنے نہیں دیتا۔ اور میں نہیں چاہتا کہ آپ گرفتاری دیں۔ اگر آپ جیل چلی گئیں تو مجھے کون بچائے گا؟“ تالیہ کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ اور وہ تذبذب سے اسے دیکھنے لگی۔

”ایڈم.... تم سچ بول رہے ہو نا؟“ وہ بار بار چوکھٹ کو بھی دیکھتی۔ کوئی معلوم نہیں وہاں سے ابھی پولیس دروازہ توڑ کے داخل ہو جائے۔

”ایڈم جھوٹ نہیں بولتا“ اور ایڈم آپ کے ایسے کاموں میں ہمیشہ آپ کا ساتھ دیتا ہے جنہیں آپ دان فاتح سے بھی چھپانا چاہیں۔“

اسے یاد آیا.... ان دونوں کا خزانے والا ایڈم وانچر.... یوں لگتا تھا اس واقعے کو واقعی جیسے سو سال گزر چکے ہوں۔ یا شاید پانچ سو ستاون برس۔

”ہاں۔ تم میری ہر بات مانتے تھے۔“ وہ قدرے ڈھیلی ہوئی تھی اور آزر وگی سے مسکرائی۔ ”کیسے ہو تم؟“

”اب آپ کو دیکھ کے لگ رہا ہے کہ میرا مسئلہ آپ سے بڑا نہیں ہے۔“

”تم اپنے حملہ آوروں سے چھپ رہے ہو؟ تم چاہو تو یہاں رہ سکتے ہو۔ یہاں نیچے.... کتابوں کا ایک ذخیرہ ہے جو....“

Downloaded from Paksociety.com

”نہیں! چہ تالیہ۔ موت میرے تعاقب میں ہے۔ اور کتابیں مجھے نہیں بچا پائیں گی۔ آپ بتائیں! ایڈم آپ کے لئے کیا کر سکتا ہے۔“

تالیہ چند لمحے کے لئے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔ موم بتیوں سے نیم روشن دیوان خانے کو آزر وگی نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

”تم بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے۔“

”میں وان فاتح نہیں ہوں جو لیڈ کرتے ہیں اور مسئلوں کا حل بتاتے ہیں۔ میں ایڈم ہوں۔ میں لیڈ ہونے والوں میں سے ہوں۔ آپ جو کہیں گی میں کروں گا۔ آپ بتائیں۔“ وہ بے لوث امداد میں کہہ رہا تھا۔

تالیہ کا آخری حل اس کے ذہن میں تیار تھا مگر وہ ایڈم سے کیسے کہے؟ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ذوالکفلی کو معلوم ہو۔ اور وہ کچن میں تھا۔

پھر اس نے جیب سے ایک چٹ نکالی اور اس کی طرف بڑھائی۔

”مجھے ایک پاؤڈر تیار کرنا ہے۔ اس کے لئے کچھ جڑی بوٹیاں چاہیے ہیں۔ تم یہ صبح مجھے لا دو گے؟“

ایڈم نے چٹ نکالی اور اچھی سے اسے دیکھا۔ ”مگر یہ پاؤڈر آپ کو اس مسئلے سے کیسے نکال سکتا ہے؟“

”یہ.... میرے لئے نہیں ہے۔“ کون دومن نے کہانی گھڑنی شروع کی۔ ”یہ داتن کے لئے ہے۔ اس کو کینسر ہے۔ وہ مر رہی ہے۔“

”واٹ؟“ ایڈم ایک دم سیدھا ہوا اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔

”ہاں۔ اس کے بال جھڑ رہے تھے کیونکہ وہ کیمو کروا رہی تھی مگر اس نے مجھے کہا کہ وہ کیٹو ڈائٹ پہ ہے اور اس لیے ایسا ہو رہا ہے۔ مگر.... ذوالکفلی کے کتب خانے میں میں نے ایک دوا کی ترکیب پڑھی ہے جو اس کا کینسر کھل طور پہ ٹھیک کر سکتی ہے۔ یہ جادو نہیں ہے۔ ایک قدیم جاپانی دوا ہے۔ میں بیاس کو سنگاپور بھجوا دوں گی! تم بس اس کو ہٹانے میں میری مدد کرو۔“

ایڈم افسوس سے گنگ ہو گیا تھا۔ کچھ لمحہ کچھ بول ہی نہیں سکا۔ پھر دیکھا کہ ذوالکفلی ٹرے میں بھاپ اڑاتے پیالے لیے آرہا ہے تو اس نے چپ چاپ پرچی جیب میں رکھ لی۔ ذوالکفلی سوپ رکھ کے وہاں سے اپنے کمرے میں چلا گیا تو ایڈم نے پرچی نکال کے پڑھی اور اچھی سے پوچھا۔

”یہ عجیب طرح کی جڑی بوٹیاں ہیں۔ ان میں سے اکثر زہریلی ہیں۔ آرپوشیور یہ دوا ہٹانے کے لئے ہی ہیں؟“

”ایڈم.... تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے کیا؟“ وہ برامان کے بولی۔ اور عورت کا مان سے کہا یہ فخرہ بڑے بڑے کام کروالیتا

Downloaded from Paksociety.com

ہے۔

مشکل و خط بھی۔

زہریلی جڑی بوٹیوں کی تلاش بھی۔

”لو کے۔ مجھے آپ پہ اعتبار ہے۔ میں لا دوں گا۔ مگر ان سے دوا کیسے بنے گی؟“

”بڑے بڑے تریاق زہریلی بوٹیوں سے ہی بنتے ہیں ایڈم بن محمد!“ وہ مبہم سے انداز میں بولی تھی۔

”میں تو دانتن پہ حیران ہوں۔ وہ کب سے اس بیماری کا شکار تھیں اور انہوں نے مجھے بتایا تک نہیں؟ مجھے ابھی تک یقین

نہیں آ رہا کہ....“

”پلیز اب تم جاؤ۔ مجھے آرام کرنا ہے۔“

وہ سوپ کا پیالہ اٹھا کے ایک دم کمرے سے نکل گئی۔ ایڈم نے دیکھا کہ اب وہ نیچے جا رہی تھی۔

وہ گھر سے باہر نکلا ہی تھا کہ ذوالکفلی نے اسے پکارا۔ ایڈم چونک کے مڑا۔ بوڑھا جادوگر اس کے پیچھے باہر آ رہا تھا۔

”سنو نو جوان۔“ وہ سنجیدگی سے اس سے مخاطب ہوا۔ ”میں تالیہ کے پلانز میں مداخلت نہیں کرتا۔ وہ جو کرنا چاہتی ہے وہ

اس میں آزاد ہے۔ اور میں تمہیں یہاں آنے سے بھی نہیں روکوں گا۔ تم جب آنا چاہو آ جاؤ۔ مگر کل مجھے شہر سے باہر جانا

ہے۔ میں رات تک آ جاؤں گا۔ اور....“ وہ فکر مندی سے کہہ رہا تھا۔ ”تم اس کو کوئی جڑی بوٹی لا کر نہیں دو گے۔“

”وہ اپنی دوست کے لئے دوا بنانا چاہ رہی ہیں۔ آپ کی کتابوں سے انہوں نے....“

”ہاں ٹھیک ہے نیچے ایسی کتابیں موجود ہیں جن میں طب کے نسخے ہیں مگر وہ دوا نہیں بنانا چاہتی۔“ وہ بے چینی سے

بولی۔ ”وہ زندگی سے مایوس ہو چکی ہے اور مجھے ڈر ہے کہ وہ اپنی زندگی ختم کرنے کا نہ سوچے۔“

ایڈم بن محمد ہنس دیا۔ ”چے تالیہ کبھی بھی خودکشی نہیں کر سکتیں۔“

ذوالکفلی سنجیدگی سے اسے دیکھ گیا۔ ”وہ اس روز سمندر میں خود کو ڈوبنے چلی گئی تھی۔ اگر میں اسے واپس نہ لاتا تو تم اس

سے یوں مل نہ سکتے۔“

مگر ایڈم پھر سے ہنس دیا۔ ”آپ کو غلطی لگی ہوگی۔ میں چے تالیہ کو جانتا ہوں۔ کوئی بھی خودکشی کر سکتا ہے۔ وہ نہیں۔ اور اگر

انہیں اپنی جان لیتی ہوتی تو سمندر تک جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر تو ہے ان کے پاس۔“

”موت کی تکلیف شدید ہوتی ہے۔ نیچے کتب خانے میں ایسے ہر لیے مادے بنانے کی کتابیں موجود ہیں جو انسان کو ہنا

تکلیف کے مار دیتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے وہ ایسا ہی زہرا اپنے لیے نہ تیار کرنا چاہتی ہو۔“

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”ہنا تکلیف والا زہر؟ کیا معلوم اس سے بھی تکلیف ہوتی ہو مگر کوئی اس تکلیف کا پتا نے تک زعمہ نہ رہ سکا ہو۔“

”مجھ سے بحث مت کرو لڑکے۔ جو میں کہہ رہا ہوں وہ کرو۔ تم اسے کوئی ایسا مواد نہیں لا کر دو گے جس سے وہ اپنی جان لے لے۔“

”لو کے! میں کہوں گا مجھے وہ بوٹیاں نہیں ملیں۔“ اس نے جان چھڑانے کے لیے کہہ دیا اور اس کا انداز ایسا تھا کہ ذوالکفلی نے یقین بھی کر لیا۔

”بہت بہتر۔“ وہ اسے گھورتے ہوئے واپس مڑ گیا۔

گلی کے اس پار جاتے ہوئے ایڈم نے مڑی مڑی چٹ نکالی اور اسٹریٹ لائٹس میں اسے پڑھنا چاہا۔

اب اسے یہ سوچنا تھا کہ یہ بوٹیاں اسے کہاں سے ملیں گی؟

وہ تالیہ کا دوست تھا ذوالکفلی کا نہیں۔ اسے تالیہ سے واقف نہ تھی۔ اگر تالیہ نے کہا تھا کہ اسے یہ بوٹیاں چاہیے ہیں تو ایڈم انہیں زمین کے آخری سرے سے بھی ڈھونڈ کے لا دے گا۔

☆☆=====☆☆

سن باؤڈانگ لی کی سرخ حویلی چاندنی میں ڈوبی اپنے ڈھیروں راز چھپائے وہیں کھڑی تھی۔ اس کا محسن اب مزید ویران لگتا تھا کیونکہ مجسمہ وہاں موجود نہ تھا اور اس کا طبقہ تک صاف کر دیا گیا تھا۔ برآمدے میں بنے آتش دان میں میٹر جلا تھا جس نے محسن سے آتی سردی کو روک رکھا تھا۔

کتواں درخت اور محسن کا سرخ اینٹوں والا فرش.... سب خاموشی سے برآمدے کو دیکھ رہے تھے جہاں آتش دان کے قریب الیکٹرک چولہے پہ رکھی کیتلی میں پانی گرم ہو رہا تھا۔ فاتح وہیں کھڑا تھا۔ سیاہ پینٹ پہ کوری سفید سویٹر پہنے وہ ماتھے پہ بال بکھرائے، موبائل پہ میسج دیکھتا، بی این کے صدر سے مختلف ایک بے نیاز سا آدمی دکھائی دیتا تھا۔

دفتر گیٹ پہ تھنٹی بجی تو فاتح نے گہری سانس لی۔ موبائل رکھا اور پہلے کیبنٹ اوپری کیبنٹ کھولی۔ ایک اور مگ نکالا اور میز پہ موجود اپنے مگ کے ساتھ رکھا۔ پھر کیتلی میں ایک دوسرے فرد کی چائے کے پانی کا اضافہ کیا۔

”مجھے معلوم تھا تم آؤ گے۔“ دروازہ کھول کے اس نے جتا کے کہا اور خود واپس مڑ گیا۔ ایڈم اس کے تعاقب میں برآمدے تک آیا جہاں اب کیتلی میں پانی کھولنا دکھائی دے رہا تھا۔

”میں نے آپ پہ اعتبار کیا اور آپ نے پولیس بلالی؟“ ایڈم برہمی سے کہتا وسط برآمدے میں آرکا۔

”اگر مجھے پولیس بلانی ہوتی تو پہلے ان کو ذوالکفلی کے گھر بھیجتا جہاں وہ پناہ لے لے ہوئے ہے۔“

Downloaded from Pakvociety.com

وہ اب پتی کے ڈبے کا ڈھکن کھول رہا تھا۔ ایڈم کی طرف پشت تھی اور چہرہ سنجیدہ لگتا تھا۔

”تو پھر وہ کیوں سمجھ رہی ہیں کہ آپ نے.....“ ایڈم الجھن اور خفگی سے بولا۔

”کیونکہ وہ خوفزدہ ہے۔“ اس نے مٹھی میں سوکھے پتے مسلا اور کیتلی میں جمونکے۔ پتے گرتے ساتھ ہی گرم پانی کے بھندور

میں پھنستے چلے گئے۔

”تو آپ کو ان کا خوف دور کرنا چاہیے تھا۔“ ایڈم کی آواز بلند ہوئی۔

”میں نے پولیس نہیں بلائی تھی۔ وہ کسی اور کے لئے آئی تھی۔ سڑک پہ کوئی ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔“ ٹھنڈے سے انداز میں

فاتح نے اپنی صفائی دی۔ ساتھ ہی کیتلی کو ہینڈل سے پکڑ کے ہلایا۔ پتے پانی میں گھلتے ساتھ ہی اسے رنگین کر رہے

تھے۔ سارے برآمدے میں چائے کی خوشبو پھیلی جارہی تھی۔

”آپ کیوں چاہتے ہیں کہ وہ گرفتاری دیں۔“

اس نے بٹن دبا کے پیش دھمی کی اور کیتلی کو ڈھک دیا۔ پھر ایڈم کی طرف مڑا اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

”کیونکہ فرار حل نہیں ہوتا۔ انسان کو حالات کو فیس کرنا چاہیے۔“

”مگر آپ خود تو ایسا نہیں کر رہے، معاف کیجئے گا۔ آپ اس آف شور کمپنی کے بارے میں واضح جواب نہیں دے رہے۔

اتنے دن سے سب آپ سے پوچھ رہے ہیں۔“

فاتح سپاٹ نظروں سے چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ ”تم کیوں چاہتے ہو کہ وہ بھاگتی رہے۔“

”میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ ان کے ہر فیصلے میں ان کا ساتھ دوں۔“

”فلائی فیملوں میں بھی؟“

”انسان کو ہر وقت نامح دوست نہیں چاہیے ہوتے سر۔ کبھی کبھی صرف غم ہانٹنے والے اور ہر حال میں ساتھ دینے والے

بھی چاہیے ہوتے ہیں۔“ وہ جتا کے بولا۔ اسے معلوم نہیں کس بات کا غصہ تھا۔

”اور تم اسی لئے اس کی مدد کر رہے ہو کہ وہ ساری عمر بھاگتی رہے؟“

”اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ مجھے ان پہ اعتبار ہے۔ چے تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔“

فاتح مڑا اور پھر چوہا بند کر کے کیتلی کا ڈھکن اتار دیا۔ خوشبودار بھاپ تیزی سے اوپر کواٹھی۔ اس نے چہرہ پیچھے کر لیا اور

چھلنی پیالی پر رکھی۔ پھر کیتلی سے سنہری دھار اس میں اٹنے لگا۔

”تم اس کی کس کام میں مدد کر رہے ہو؟ وہ کیا کرنے کا سوچ رہی ہے؟“

Downloaded from Paksociety.com

”اگر چہ تالیہ مجھے کوئی کام کہیں گی تو میں آنکھیں بند کر کے اسے کروں گا۔ سر۔ کسی کو بھی بتائے بغیر۔“

”چاہے وہ کام اس کے اپنے لئے برا بھی ثابت ہو؟“

اب وہ سر جھکائے دوسری پیالی میں چائے اٹھیل رہا تھا۔ چوں کی کڑک دار خوشبو سارے برآمدے کو مچھل کر گئی تھی۔

”وہ ان کو کسی بھی چیز کے لیے انکار نہیں کر سکتا۔“

وان فاتح دونوں کپ اٹھائے اس کی طرف مڑا اور سادگی سے پوچھا۔

”کیوں؟ کیا تمہیں ڈر ہے کہ شہزادی تمہارا دایاں ہاتھ کٹوا دے گی؟ شاہی مورخ؟“

اور ایک پیالی اس کی طرف بڑھائی۔

ایڈم بن محمد سکتے میں آگیا۔ لب ذرا سا کھل گئے۔ وہ پلک تک نہیں جھپک سکا۔

”چائے!“ فاتح نے اسے پکارا۔ اس کا ہاتھ ابھی تک بڑھا ہوا تھا۔

ایڈم کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ ساری ناراضی ہوا ہو گئی۔ اس نے مرے مرے ہاتھوں سے کپ تھاما۔ آنکھیں ابھی تک

بے یقینی سے فاتح کو تکر رہی تھیں۔

”آپ کو..... سب یاد ہے؟“

”کیا تمہیں ابھی بھی شک ہے؟“

اپنے کپ سے گھونٹ بھر کے اس نے پیالی نیچے کی اور چھوٹے قدم اٹھاتا برآمدے کے ستون کے ساتھ آکھڑا ہوا۔ باہر

جامعہ دینی میں ڈوبا مٹھن خاموش پڑا ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

”کب سے؟“ ایڈم نے کمزور لہجے میں پکارا۔ گرم کپ اس کے ٹھنڈے ہاتھوں میں سرد پڑتا جا رہا تھا۔

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ نیند کتنی گہری تھی؟ جاگنا زیادہ اہم ہے۔“ وہ اندھیر درخت کو دیکھتے ہوئے گھونٹ بھر کے

بولتا۔

”مگر کیسے؟“ ایڈم بے جان قدموں سے چلتا اس کے عقب میں آرکا۔

”کل رات یہاں آنے سے پہلے میں نے ایک کاغذ لکھا تھا۔ اس کو دراز میں رکھنے کے بعد مجھے ملا کہ آنے تک سب یاد

آگیا تھا۔ ایسے جیسے کبھی بھولا ہی نہ ہو۔“

”اور آپ نے بچے تالیہ کو نہیں بتایا؟“ وہ صدمے سے اس کی پشت کو دیکھ رہا تھا۔

وان فاتح نے جواب نہیں دیا۔ وہ سامنے درخت کو دیکھتے ہوئے گھونٹ گھونٹ چائے پیتا رہا۔

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”اگر آج آپ ان کو بتا دیجئے تو وہ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں گی۔“

”اس سے کہو کل وہ مجھ سے ملے۔“ اس نے ایلم کی بات کاٹی تھی۔

چند منٹ پہلے اس نے یہ کہا ہوتا تو ایلم سختی سے انکار کر دیتا مگر اب سب بدل چکا تھا۔ اس نے سر تسلیم خم کر دیا۔

”کل رات.... وہی وقت.... وہی جگہ۔“ مسکرا کے کہتے ہوئے فاتح اس کی طرف مڑا۔ وہ بالکل پرسکون لگتا تھا۔

”سو کے۔“ ایلم نے پھر سے سر کلائش دی۔ اب وہ ان دونوں کے درمیان نہیں آ سکتا تھا۔

”تمہارے خیال میں وہ دوبارہ ملنے پر راضی ہو جائے گی؟“

”انہوں نے مجھے ایک کام کہا ہے۔ میں اس کے بدلے میں ان سے آپ سے ملنے کے لئے کہوں گا۔“

اس نے چائے سے بھرا کپ واپس رکھا اور مڑ گیا۔ تب فاتح نے اسے پکارا۔

”ایلم.... جھینک پو!“

ایلم اس کی طرف پشت کیے چند تابیے کھڑا رہا۔ فاتح نہیں دیکھ سکتا تھا کہ اس نے لب کاٹے تھے اور آنکھوں میں زخمی سا

تاثر ابھرا تھا۔ وہ لمحہ جس کا اس کو ہمیشہ خوف رہا تھا.... وہ آگیا تھا۔ فاتح کو تالیہ یاد تھی۔ اور تالیہ کو وہ کبھی بھولا ہی نہیں

تھا۔ دونوں اپنی جگہوں پہ واپس آ گئے تھے۔ وقت کے اس چکر نے اگر کسی کو برا دیا تھا تو وہ ایلم بن محمد تھا۔

”آپ کو شکر یہ کہنا بھی چاہیے سر۔ کیونکہ شکر ہے کہ ایلم بن محمد کوئی خود غرض آدمی نہیں تھا۔ ورنہ....“ اور پھر سر جھٹک کے

وہ آگے بڑھ گیا۔

وان فاتح افسوس بھری نظروں سے اسے جاتے دیکھنے لگا۔

وہ دونوں جانتے تھے کہ ایلم بن محمد کے ان کجا لفاظ میں کیسا درد نہاں تھا۔

☆☆=====☆☆

ذوالکفلی کا گرامی صبح اپنے مالک کی غیر موجودگی میں مزید ویران نظر آنے لگا تھا۔ وہ شہر سے باہر تھا اس لئے آج اس نے

تالیہ کا کھانا ٹریپ ڈور سے نیچے نہیں رکھا تھا۔ وہ اب خود کچن میں کھڑی ناشتہ بنا رہی تھی۔ ذرا سے کھلے پہ چوٹک جاتی۔ بار بار

کھڑکی کی بلاسٹڈز کو دوا لگیوں سے کھولتی اور درز سے باہر جھانکتی۔

ارد گرد سب سکون تھا۔ صرف وہی خوفزدہ تھی۔

ناشتے کی ٹرے لئے وہ دیوان خانے میں آئی اور اسے فرش پہ اپنے سامنے سجایا۔ پھر کافی کا مگ اٹھایا ہی تھا کہ نظر شیلہ

پہ پڑی۔ وہاں قطار میں بوتلیں رکھی تھیں۔ وہ اپنی بوتل کو پہچانتی تھی۔ جو عرصے سے خالی ہو چکی تھی مگر... مرکزی مقام پہ رکھی

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

وان فاتح کی بوتل.... آج وہ بھی خالی تھی۔

تالیہ کے لب بے یقینی سے کھل گئے۔ اس نے پرسوں رات یہ بوتل غور سے دیکھی تھی اور یہ تین چوتھائی بھری تھی۔ کل وہ اسے دیکھ نہیں پائی تھی۔ اور آج یہ خالی تھی۔

وان فاتح کی یادداشتیں اس کے ذہن کو واپس مل گئی تھیں۔ کب؟

یہنا پچھلے چوبیس گھنٹوں میں۔ وہ گزشتہ روز ملا کہ آیا تھا۔ اور کچھلی رات تالیہ سے ملا تھا۔ کیا تب اس کو سب یاد تھا؟ پھر بھی اس نے پولیس بلالی؟ اس نے تالیہ کو بتایا کیوں نہیں؟

چند لمحے وہ شاک میں بیٹھی رہی.... اور پھر.... پھر اسے ڈھیروں غصہ آیا۔ اور آنکھیں.. آنکھیں.. بے بسی بھرے زخمی پن سے بھر گئیں۔ وہ مارے ہانڈھے ناشتہ کرنے لگی۔ بار بار آنکھوں میں پانی آتا مگر وہ اسے ہتھیلی سے دگڑ دیتی۔ تبھی تھکنی بجی۔ تالیہ کرنٹ کھا کے اٹھی اور تیزی سے ٹخنے سے بندھا خنجر نکالا۔ اس کی رنگت سفید پڑ گئی تھی۔ چند لمحے وہ خاموشی سے دم سادھے کھڑی رہی۔ پھر باہر سے آواز سنائی دی۔ ”میں ہوں۔ ایڈم۔“

”مجھے امید نہیں تھی کہ تم اتنی جلدی آ جاؤ گے۔“

وہ اسے اندر لائی اور پھر دروازے کو لاک کیا، چنچنی بھی چڑھائی اور بولٹ بھی الگ کیا۔ آج موسم قدرے زیادہ ٹھنڈا تھا۔ اس لئے ایڈم نے جیکٹ پہن رکھی تھی۔ مگر گرم تھا۔ اس نے راہداری میں آتے ہی جیکٹ اتاری اور اسے افسوس سے دیکھا۔ جواب کھڑکی سے باہر کا جائزہ لے رہی تھی۔

”فکر نہ کریں۔ کوئی میرا پیچھا نہیں کر رہا۔ میں بہت احتیاط سے ادھر آیا ہوں۔“

تالیہ نے سر جھٹکا اور دیوان خانے میں چلی آئی۔ وہ اس کے پیچھے آیا اور ہنا تمہید کے کہنے لگا۔ ”وان فاتح کو سب یاد ہے۔“

”جانتی ہوں۔ ابھی دیکھا ہے۔“ وہ تلخی سے عیلت کی طرف اشارہ کر کے بولی اور واپس فرش پہ دوڑا نوٹ لٹھی۔ ماتھے پہ ہل تھے اور اس نے دوبارہ ناشتے کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

”واہ۔ خاصا ترقی یافتہ جادوگر واقع ہوا ہے ذوالکفلی۔ کافی اپ گریڈڈ سسٹم ہے اس کا۔“

پھر اس نے تالیہ کے تاثرات دیکھتے چہرے کو شجیدہ کیا اور اس کے سامنے بیٹھا۔

”انہوں نے پولیس نہیں بلالی تھی۔ وہ....“

”مجھے بعد میں اندازہ ہو گیا تھا۔“ وہ ہنوز تلخ تھی۔ ایڈم نے گہری سانس لی۔ وہ سارے مسئلے خود ہی حل کر چکی تھی۔

”وہ آپ سے دوبارہ ملنا چاہتے ہیں۔“

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”اب کیا بچا ہے جس کے لئے وہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ کیا ان کے پاس میرے سوالوں کے جواب ہیں؟ کیونکہ ان کی طرف میرے بہت سے حساب نکلتے ہیں ایڈم۔“

اتنے مہینوں کے ادھورے جواب اور فاتح کے ادھورے فیصلے یا آئے تو اس کے دل پہ آنسو گرنے لگے۔

”جواب ہو گا تو ملنا چاہتے ہیں۔ آپ ایک دفعہ ان کی بات سن لیں۔ آج رات وہی جگہ وہی وقت۔ فیصلہ آپ کا ہے۔“

پھر اس نے جیب سے ایک پوٹلی نکالی اور اس کے سامنے رکھی۔

”یہ وہ تمام چیزیں ہیں جو آپ کو درکار تھیں۔“

تالیہ دنگ رہ گئی۔ ”تمہیں یہ اتنی جلدی کیسے ملیں۔“

”آپ کو ڈھونڈنا ان جڑی بوٹیوں کو ڈھونڈنے سے زیادہ مشکل تھا۔ مگر.... چے تالیہ.... آپ کوئی غلط کام تو نہیں کرنے جا رہیں۔“

تالیہ نے تیزی سے پوٹلی جھٹی اور کھولی۔ پھر گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔

”اگر ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا تو خاموشی سے اس کو نبھاؤ۔ میں کچھ ایسا نہیں کروں گی جس سے کسی دوسرے کا کوئی نقصان ہو۔“

ایڈم کو ذوالکفلی کی بات یاد آئی۔ اس نے لمحے بھر کے لئے سوچا کہ وہ کہے اپنی جان مت لینا، مگر نہیں.... جس تالیہ کو وہ جانتا تھا.... وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے اس نے کچھ نہیں کہا۔ بس ہامی بھر لی۔

”میں آپ کے ہر فیصلے میں آپ کے ساتھ ہوں۔“

وہ چلا گیا تو تالیہ دروازہ بند کر کے راہداری میں آئی تاکہ نیچے جا سکے مگر اسی بل دوبارہ ٹھنٹی ہوئی۔ وہ چوکی۔

دو دفعہ۔ تین دفعہ۔ کوئی بے چینی سے بار بار ٹھنٹی بج رہا تھا۔ پھر دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا۔

اس نے پوٹلی سینے سے لگائے، اضطراب سے بند دروازے کو دیکھا۔ اب کون آیا تھا؟

☆☆=====☆☆

اعمد میر املا کہ شہر کو دھیرے دھیرے نکل رہا تھا۔ اسٹریٹ پولز کی روشنیاں مغرب ڈھلتے ہی جل اٹھی تھیں مگر وہ امد میرے سے لڑنے میں ناکام نظر آتی تھی۔ آسمان پہ آج ایک ہادل تک نہ تھا۔

صرف سناٹا تھا۔ اور تاریں تھیں۔ اور تاریں خاموشی سے یاں سونو کے کنویں کو دیکھ رہے تھے جو خستہ حال دیواروں سے

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

گھرے احاطے میں واقع تھا۔

کنویں کی منڈیر پہ وہ بیٹھا تھا۔ ہاتھ میں گھاس کا تنکا تھا جسے وہ دھیرے دھیرے توڑ رہا تھا۔ ٹھنڈے کے ہاؤ جو اس نے سویٹر یا جیکٹ نہیں پہنی تھی۔ بلکہ سیاہ شرٹ کے آستین بھی موڑ رکھے تھے۔ بار بار وہ کلائی کی گھڑی دیکھتا پھر دوبارہ سے تنکے کے ٹکڑے کرنے لگ جاتا۔

اسے احساس بھی نہ ہوا اور کب فضا میں اس کی مانوس خوشبو گھلتی گئی۔ فاتح نے چونک کے سر اٹھایا۔ پھر تنکا ہاتھ سے پھسل جانے دیا۔

وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

آج اس نے سفید... کورے سفید رنگ کا ہا جو کرنگ پہن رکھا تھا اور گردن میں مفکر کی طرح سرخ اسٹول لے رکھا تھا۔ ہال پن لگا کے آدمے ہاندھ رکھے تھے اور دائیں کان کے اوپر ننھا سا چیری بلا سم کا نقلی پھول اٹکا تھا۔ کانوں میں قدیم ملاکہ سے لائے ٹاپس اور ہاتھ میں وہی سرخ یا توئی انگلی تھی۔

تالیہ کا چہرہ اسی طرح سفید اور بے رونق تھا مگر وہ تیار لگ رہی تھی۔ کس شے کے لئے تیار؟ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں چند لمحے خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور آسمان پہ نکھرے تارے ان کو ”تو آپ کو یاد آگیا کہ آپ مجھے کیسے اکیلا چھوڑ گئے تھے؟“ وہ آنکھوں میں نگہ لیے بولی تھی۔ ”آپ نے میرے ہا پا سے سودا کر لیا... اپنی یادداشتوں کا سودا... اور مجھے اعتماد میں لینا بھی ضروری نہ سمجھا۔“ اس کے پاس بہت سے شکوے تھے۔

”میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں وقت کی قید سے نکال لاؤں گا۔“

”آپ مجھے بتا تو سکتے تھے۔ کیا میرا اتنا بھی حق نہیں تھا کہ میں نہ جان پاتی؟ جانتے ہیں جب ہم واپس آئے اور میں آپ سے پارٹی میں ملی تو مجھے کیسا دھچکا لگا۔“ اس کی آنکھیں بھینکنے لگیں۔ ”آپ مجھے بھول گئے تھے اور مجھے لگا مجھے ساری دنیا بھول گئی ہے۔“

”آئی ایم سوری!“ وہ اس سے نگاہ ہٹائے بغیر دھیرے سے بولا۔ ”میں تمہیں وقت سے پہلے پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔“ ”تو پھر مجھے آزاد کر دیتے۔ اس زبردستی کے رشتے سے۔ اس بنا ثبوت کے تعلق سے۔ مجھے خود سے ہاندھ کے کیوں رکھا؟“ بے بسی بھرے غصے سے لبریز آواز بلند ہونے لگی۔

”میں نے سوچا تھا کہ میں یہ کروں گا مگر میں نہیں کر سکا۔“ وہ ٹھنکتگی سے کہہ رہا تھا۔ ”میں تمہیں تحریری طور پہ آزاد کرنا چاہتا

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

تھا مگر جب ذوالکفلی نے مجھے وہ تین سوال بتائے تو مجھے اندازہ ہوا کہ تم میرے لئے سب سے اہم ہو۔ تمہارے بغیر میں کبھی اپنی زندگی کے ان بھولے ہوئے چار ماہ کو یاد نہیں کر سکتا تھا۔“

”میں آپ کے لئے سب سے اہم ہوں؟“ وہ تلخی سے سر جھٹک کے ہنسی۔ پھر آگے آئی اور کنویں کی منڈیر پہ بیٹھی اور گردن اٹھا کے اسے دیکھا۔

”میں اہم تھی تو مجھے بتا دیتے کہ میرے باپ سے سودا کر لیا ہے۔ میں اہم تھی تو مجھے بتا دیتے کہ آریانہ کی موت میں عصرہ کا ہاتھ تھا۔ میں اہم تھی تو اتنے ماہ مجھے ایک ہاڈی وومن کی طرح ٹریٹ کیوں کیا؟ آپ تو سب بھول گئے تھے۔ اپنی زندگی، ایکشن اور high ambitions میں مصروف ہو گئے تھے۔ میرے دل پہ کیا گزر رہی تھی؟ آپ کو اندازہ بھی ہے۔“

وہ دھیرے سے اس کے ساتھ بیٹھا۔ وقت کے دونوں مسافر اب شکستہ حال سے کنویں کی منڈیر پہ بیٹھے اندھیر دیوار کو دیکھ رہے تھے۔

”میں سمجھا تھا میرا بھول جانا ہی ٹھیک ہے۔ تم آزاد ہو جاؤ گی اور میں واپس اپنی زندگی میں چلا جاؤں گا۔ میرے ambitions مختلف تھے۔ مجھے اپنے ملک کو تسخیر کرنا تھا۔ میں وہ سب بھلا دینا چاہتا تھا۔“

”مجھے بھی؟“ شہزادی نے گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھا تو فاتح نے چہرہ اس کی طرف موڑا۔

”میں غلط تھا۔ مجھے راجہ سے سودا کرنے کے بعد علم ہوا کہ آریانہ کو کس نے مروایا تھا۔ تم مجھے لگا کہ میں اس بات کو نہیں بھولنا چاہتا۔ میں نے وہ نشانیاں تمہارے لیے چھوڑیں تاکہ تم مجھے وہ یاد کروا دو۔“

”آپ نے مجھے خود سے صرف اس لئے ہاندہ دے رکھا تاکہ میں آریانہ کے قتل کا معرہ حل کر سکوں۔ آپ نے یہ میرے لئے نہیں کیا۔ آپ نے خود کو چنا۔ آپ خود غرض ہیں وان فاتح۔“

”میں غلط تھا۔ انسان کو بعض دفعہ خود اپنے آپ کو سمجھنے میں زمانہ بیت جاتا ہے۔ وہ نہیں جان پاتا کہ اس کا دل کیا چاہتا ہے۔ میں نے خود کو کہا تھا کہ میں صرف آریانہ کے لیے تمہیں اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں لیکن.....“ وہ پھر سے سامنے دیکھنے لگا۔ ”لیکن دل چاہتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔“

”اور تالیہ کے دل کا کیا؟“ وہ زخمی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ”آپ کے لئے کام کرنے کی وجہ سے میری ساری زندگی داؤ پہ لگ گئی۔ میں پبلک فگر بن گئی۔ میرے خلاف انگوائز بکھل گئیں۔ اور اب.... اب آپ کی وجہ سے میں ایک قاتل کے طور پہ جانی جا رہی ہوں۔ آپ کے سارے فیصلے غلط تھے وان فاتح۔ آپ کے فیصلوں کی سزا میں نے بھگتی ہے۔ کیونکہ میں نے ہمیشہ آپ کو چنا۔ اور آپ نے خود کو۔“

Downloaded from Paksociety.com

”کیا تم مجھے ایک دفعہ موقع دے سکتی ہو کہ میں تمہیں چنوں؟“ وہ اسے دیکھ کے سنجیدگی سے بولا تو یکدم وقت ٹھہر گیا۔ وہ سانس روکے اسے دیکھے گئی۔ شاید اوپر بکھرے تاروں نے بھی دم سادھ لیا تھا۔

”آپ.... مجھے.... چنیں گے؟“ اسے یقین نہیں آیا تھا۔

”دل چاہتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔“ وہ اداسی سے مسکرایا۔ ”میری زندگی میں اس وقت تم سے زیادہ اہم کوئی بھی نہیں ہے۔ تم میری وجہ سے اس سب میں پھنسی ہو۔ مجھے خود کو اس میں سے نکالنے دو۔“

”میں آپ کے لئے اہم ہوں؟“ وہ پھر سے تلخی سے ہنسی۔ سارا فسوں ٹوٹ گیا۔ اس کو جیسے بے یقینی سی تھی۔ وہ بھلا فاتح کے لئے اہم کیسے ہو سکتی تھی۔

”ہم نے ایک زمانہ ساتھ گزارا ہے، تالیہ۔ میں مانتا ہوں کہ میرے فیملے غلط تھے مگر میں تمہیں اس قدیم دنیا سے نکال کے واپس یہاں لانا چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ تم ایک نئی زندگی شروع کرو۔ جرائم اور دھوکہ دہی سے پاک زندگی۔“

”اور اس زندگی میں وان فاتح کو کبھی تالیہ یاد نہ رہے؟ ہے نا؟ آپ اپنے فیصلوں کی جتنی صفائیاں دے ڈالیں، آخر میں سچ بھی ہے کہ آپ نے تالیہ کو بھول جانا مناسب سمجھا، مگر پھر صرف اپنی یادداشتیں واپس لانے کے لئے اسے اپنے سے جوڑے رکھا۔ اب آپ کو سب یاد آ گیا ہے۔ اب آپ کو میری ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔“

”تمہیں معلوم ہے تم خود بھی کسی چیری بلاسم کی طرح ہو۔“ وہ اس کے کان میں انکے پھول کودیکھ کے بولا۔ وہ نقلی تھا مگر اصلی کا گمان ہوتا تھا۔ ”اور چیری بلاسم نازک ہوتے ہیں۔ وہ تنہا سہرا بنو نہیں کر سکتے۔“

”ہاں۔ وہ جلدی مر جاتے ہیں۔ انہیں جلدی مر جانا چاہیے۔“ وہ تلخی سے بولی تھی۔

”تم ایک دفعہ مجھ پہ اعتبار کر کے دیکھو۔ میں تمہیں گرنے نہیں دوں گا تالیہ۔“

”آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں کیا کروں؟“

فاتح نے گہری سانس لی۔ کنویں کا پانی..... اور اس میں گرے لا تعداد اسکے دم سادھے سننے لگے۔

”میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ ہو۔ تمہیں میری ضرورت ہے اور مجھے تمہاری۔“

”آپ چاہتے ہیں کہ میں خود کو پولیس کے حوالے کر دوں؟“ اس نے ملاحتی نظروں سے فاتح کو دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔ ”مجھے آپ پہ اعتبار نہیں ہے وان فاتح۔ آپ سچ راستے کے چھوڑ دینے والوں میں سے ہیں۔“

”میں نے تم سے وعدہ کیا تھا اس جنگل سے تمہیں نکالوں گا۔ کیا میں نے وہ وعدہ پورا نہیں کیا تھا؟ میں نے کہا تھا کہ تمہیں جدید ملا کہ میں واپس لاؤں گا وقت کی قید سے نکال کے۔ کیا میں نے وہ وعدہ توڑا تھا؟ مجھے وعدے نبھانے آتے ہیں تالیہ۔“

Downloaded from Paksociety.com

”لور آپ کے وعدوں کی قیمت میں نے چکائی تھی۔“

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”میں آپ کی بات نہیں مان سکتی۔“

وان فاتح کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ دکھ سے اسے دیکھنے لگا۔

”تم مجھے ملنے آگئیں تو مجھے لگا تم میری بات مان لوگی۔“

”میں کسی اور شے کے لئے آئی تھی۔“ وہ منڈیر کنارے بیٹھا تھا اور وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کا سفید لباس چمک

رہا تھا۔ اندھیرے میں کفن کی مانند.....

”کس لئے؟“ وہ چونکا۔

”میں آپ کو خدا حافظ کہنے آئی تھی۔ ہم آج کے بعد کبھی نہیں ملیں گے۔“

فاتح کے ابرو پریشانی سے اکٹھے ہوئے۔ وہ دھیرے سے اٹھا۔ ”کیوں؟“

”کیونکہ میں اب تھک چکی ہوں۔ میں دولت اور اس کے آدمیوں سے اب نہیں لڑ سکتی۔ تالیہ کی ہمت ٹوٹ چکی ہے۔“

”تم کیا کرو گی؟“

مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔

”میرے سارے راستے بند ہو چکے ہیں۔ میں ملک نہیں چھوڑ سکتی۔ داتن مجھ سے الگ ہو گئی۔ میں ایک مفرد مجرم بن کے

رہ گئی ہوں۔ میرا گھر میرے بینک اکاؤنٹس، سب مجھ سے چھین گیا ہے۔“

”لور وان فاتح؟“

تالیہ چند لمحے کچھ بول نہ سکی۔ ”آپ کو تو میں نے عرصہ ہوا کھودیا تھا۔“

”تالیہ.... میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں بچا لوں گا۔“

”کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا۔“

”تم نے سفید کپڑے کیوں پہن رکھے ہیں؟“ اسے ایک دم عجیب سا احساس ہوا۔ جیسے کچھ غلط تھا۔

”یہ آخری ملاقات تھی لور لوگ الوداع کرتے ہوئے سفید ہی پہنتے ہیں۔ یا پھر کیا وہ سیاہ پہنتے ہیں؟ آج کل مجھے چیزیں

ٹھیک سے یاد نہیں رہتیں۔“

اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ وہ قدم قدم پیچھے ہٹ رہی تھی۔ ”آپ مجھے میری چوائسز کے لئے معاف کر دیجئے

گا۔ میرے پاس دوسرا کوئی راستہ نہ تھا۔“

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”تم کیا کرنے کا سوچ رہی ہو؟“ وہ واقعی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

”کسی نے مجھے کہا تھا کہ میرے اندر killer instinct نہیں ہے۔ کسی کے دل پہ پیر رکھ کے فیصلے کرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔ مگر اب.... اب میں یہ کر سکتی ہوں۔“

وہ چوکھٹ تک پہنچ چکی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھتا، تالیہ مڑی اور اندھیرے میں گم ہو گئی۔ وہ اس کے پیچھے لپکا۔ دوسرا احاطہ سنسان پڑا تھا۔ وہ کہیں نہیں تھی۔ مگر اس کا آخری چہرہ فاتح کے ذہن کے پردے پہ نقش ہو چکا تھا۔

بھنگی سیاہ آنکھیں۔ آدمے بندھے چھوٹے سیاہ بال.... کان پہ لگا پھول۔ کیا تھا اس کے انداز میں جو ڈسٹرب کر رہا تھا؟

تالیہ واپس آئی تو اپنے آنسو خشک کر چکی تھی۔ ذوالکفلی واپس آ چکا تھا۔ اس وقت وہ دیوان خانے میں بیٹھا کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھا۔ اسے تیزی سے بیداری سے گزرتے دیکھ کے ٹھٹکا۔ ”تالیہ۔“

مگر وہ نے بغیر سیدھی نیچے آئی۔ اس کے چھوٹے سے کمرے میں چائے کا سامان رکھا تھا۔ تالیہ نے آنکھیں دوبارہ رگڑیں اور کپٹل میں پانی گرم کرنے رکھا۔ پھر اسٹول کے پلو سے بندھی گرہ کھولی۔ اس میں ایک پڑی تھی جس کے اندر پیا ہوا جامنی سفوف نظر آتا تھا۔ اس کی کوئی خوشبو نہ تھی۔ اس کا کوئی ذائقہ نہ تھا اور دیکھنے میں وہ بے ضرر سا پاؤ ڈر لگتا تھا۔

کیا سارے سارے بند ہو چکے تھے؟ کیا یہی واحد راستہ تھا؟ سارے مسئلے ختم کرنے کا؟

ہاں۔

اس نے لب بھنچے اور بہت سے دلوں پہ پیر رکھ کے سفوف پیالی میں ڈال دیا۔ پھر گرم پانی اس میں اڑ پلے لگی۔ آنکھیں ایک دفعہ پھر بھینکنے لگیں۔

☆☆=====☆☆

وان فاتح کتنی دیر اس احاطے کی چوکھٹ پہ کھڑا رہا۔ اس کے ابرو فکر مندی سے بھنچے تھے اور آنکھوں میں پریشانی تھی۔ وہ جیسے ہی گئی تھی فاتح کو اس کی فکر شروع ہو گئی تھی۔

بالآخر وہ وہاں سے نکلا اور کار کو بے مقصد سڑک پہ ڈال دیا۔ ڈرائیو کرتے ہوئے وہ بار بار اپنا فون دیکھتا تھا۔ ایڈم کو کال ملائے؟ یا نہیں؟ کس سے پوچھے تالیہ کے بارے میں؟

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

اس کی فکر مندی اب شدید پریشانی میں بدل رہی تھی۔ وہ ٹھیک نہیں تھی اور اسے نجانے کیوں محسوس ہونے لگا کہ وہ خود کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر سکتی ہے۔ شدید مایوسی میں انسان سے کچھ بعید نہیں ہوتا کہ وہ کب کیا کر ڈالے۔ بالآخر اس نے ایڈم کو کال ملائی۔ کارفون کے اسپیکرز پہ اس کا پہلو گونجا تو فاتح نے اسٹیرنگ وچل گھماتے ہوئے پریشانی سے پوچھا۔

”ایڈم.... تالیہ کہاں ہے؟“

”کیا وہ ملنے نہیں آئیں؟“

”آئی تھی۔ مگر وہ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔“

ایڈم چپ ہو گیا۔ ”وہ خوفزدہ ہیں اور.....“

”نہیں ایڈم۔ کچھ غلط ہے۔ کیا تم اس سے ابھی رابطہ کر سکتے ہو؟“

”میں.... کوشش کر سکتا ہوں مگر....“

”اس نے تمہیں کیا کام کہا تھا؟“ یکدم اسے یاد آیا۔

”وہ.... وہ ان کا ذاتی کام تھا اور اگر میں نے آپ کو بتایا تو وہ برا مانیں گی۔“

”ایڈم.... اس نے.... کیا کام کہا تھا؟“ وہ دہشتی سے زور دے کر بولا۔ ایڈم متذبذب سے چپ ہو گیا۔ فاتح نے تیسری

دفعہ بات دہرائی اور ایڈم کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ سچ بولے یا جھوٹ۔

”وہ چند مخصوص جڑی بوٹیوں کی تلاش میں تھیں جن سے وہ لیا نہ صابری کے لئے دوائی بنا سکتی ہیں۔“

”کیسی جڑی بوٹیاں؟“ اس نے بڑیک پہ پاؤں رکھا اور کار کو ہڑک کنارے روک لیا۔

”انہوں نے کہا تھا کہ ان کے پاس کوئی نسخہ ہے۔“

”میں پوچھ رہا ہوں کہ کس قسم کی جڑی بوٹیاں تھیں وہ؟“

”وہ زہریلی تھیں مگر بہت سی دوائیں زہریلی بوٹیوں سے بھی بنتی ہیں اور....“

”ڈیم ایڈم!“ اس نے جھڑک کے اسے خاموش کر دیا۔ ”وہ کہاں ہے؟ ذوالکفلی کے گھر میں؟“

”پلیز وہاں مت جائیے گا۔ اگر آپ وہاں گئے تو وہ مجھ پہ خفا ہوں گی کہ....“

مگر فاتح نے سنے بغیر فون بند کیا اور تیزی سے کار اسٹارٹ کی۔ اس کے ماتھے پہ پسینے کی بوندیں نمودار ہوئی تھیں۔

ایکسپریز پہ زور سے پیر رکھے اس نے کار کو دوبارہ ہڑک پہ ڈال دیا۔ وقت کم تھا۔ سارے کھیل وقت کے ہی تھے۔

Downloaded from Paksociety.com

ذوالکفلی کا دروازہ اس نے جتنی زور سے پٹا تھا بوڑھا جادوگر پریشانی سے ہا ہر آیا تھا.... اسے دیکھ کے وہ ٹھٹھکا۔ ”وان فاتح؟“

”تالیہ کہاں ہے؟“ اس کے چہرے سے شدید اضطراب جھلک رہا تھا اور اس کے انداز میں کچھ ایسا تھا کہ وہ مزاحمت نہیں کر سکا۔ راستہ چھوڑ دیا اور راہداری کی طرف اشارہ کیا۔

”وہ نیچے گئی ہے۔ ابھی کچھ دیر کے لئے اوپر آئی تھی۔ میرے پاس بیٹھی تھی مگر وہ پریشان لگ رہی تھی۔ کچھ ہوا ہے کیا؟“

فاتح نے جواب نہیں دیا۔ بس ہاتھ سے اشارہ کیا تو ذوالکفلی آگے آیا اور جھک کے ٹریپ ڈور کھولا۔

نیچے موجود کتابوں کا مقبرہ نیم روشن تھا۔ وان فاتح تیزی سے زینے اترتے نیچے آیا تو دیکھا۔ وہاں ایم کونے میں ڈھیروں موسم بٹیاں جلی تھیں۔ قدیم کتابوں کے ریک قطار در قطار رکھے تھے اور دور.... سامنے.... ایک دیوار کے ساتھ تالیہ زمین پہ اکڑوں بیٹھی تھی۔ ہاتھ میں ایک چھوٹی سی گھڑی تھی جس کی ٹک ٹک وہ سن رہی تھی۔

جیسے لحوہ لحوہ گن رہی ہو۔ جیسے انتظار کر رہی ہو۔ اس کا چہرہ ادا سا تھا۔ بے رونق اور مرجھایا ہوا۔

”تالیہ!“ وہ پھولے تنفس کے ساتھ کہتا سامنے آیا تو وہ چونکی۔ اسے دیکھ کے ابرو تیرت سے اٹھے۔ وہ اس کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

”آپ؟ یہاں؟“ وہ پریشانی سے کہتی اٹھی پھر فاتح کے عقب میں آتے ذوالکفلی کو دیکھا جو متوجہ نظر آتا تھا۔

”تم مجھ پہ اعتبار نہیں کرنا چاہتیں، ٹھیک ہے، مگر تم اپنی زندگی ختم کرنے کے بارے میں کیسے سوچ سکتی ہو؟“ وہ اس کے سامنے آ کر اور غصے سے بولا۔

تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔ ”آپ کو کس نے....“

”مجھے ایڈم نے کہا ہے کہ اس نے تمہیں زہریلی جڑی بوٹیاں لا کے دی ہیں۔“

”کیا؟ میں نے اسے منع کیا تھا۔“ ذوالکفلی تیزی سے آگے آیا اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔

تالیہ نے لب کاٹے۔ وہ اس سب کے لئے تیار نہیں تھی۔

”میرے پاس اس زندگی میں کوئی امید نہیں بچی تھی۔ آئی ایم سوری!“

فاتح کے دل کو دھکا سا لگا۔ اس کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

”مجھے وہ زہر دو جو تم نے بنایا ہے۔“ اس نے پھٹلی سامنے کی مگر یہ الفاظ کہتے ہوئے بھی اس کو اندازہ تھا کہ اب دیر ہو چکی

تھی۔

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

WWW.PAKSOCIETY.COM

RSPK.PAKSOCIETY.COM

ONLINE LIBRARY

FOR PAKISTAN



PAKSOCIETY1



PAKSOCIETY

تالیہ نے بے بسی سے شانے اچکا دیے۔ آنکھیں پھر سے بھینکنے لگیں۔

”مجھے معاف کر دیجئے گا مگر میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا تھا۔“ اس نے نظریں جھکا لیں۔

وہ چند لمحے کے لئے کچھ بول نہیں سکا۔ ہاتھ ڈھیلا ہو کے پہلو میں جا گرا۔ ذوالکفلی البتہ تیزی سے آگے آیا اور اس کو کہنی سے پکڑ کے بھنجوڑا۔

”کون ساز ہر کھایا ہے تم نے ہاں؟ مجھے بتاؤ۔ میرے پاس اس کا تریاق ہوگا۔“ وہ پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔

تالیہ نظریں جھکائے کٹری لب کاٹتی رہی۔ وہ کچھ نہیں بولی۔ فاتح کی نظریں اس کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔ اور تب اسے احساس ہوا کہ وہ اپنے ہاتھ میں پکڑی کٹری کو دیکھ ہی تھی۔ ٹک..... ٹک..... ٹک.....

”تالیہ..... میں پوچھ رہا ہوں تم نے کون ساز ہر کھایا ہے؟ ہرگز ہر کا تریق ہوتا ہے۔“ ذوالکفلی نے چلا کے پوچھا تھا۔

تالیہ مراد نے سر جھکائے گہری سانس لی۔

پھر اس نے آنکھیں درگزیں اور پلکیں اٹھائیں۔

اس کی آنکھوں میں اب آنسو نہیں تھے۔

ان میں ایک مخصوص چمک تھی۔

”کس نے کہا کہ ہر تالیہ نے کھایا ہے؟“ وہ ہلکا سا مسکرائی۔

ذوالکفلی ایک لمحے کے لئے ساکت رہ گیا۔ پھر وہ بے اختیار پیچھے ہٹا۔

”زہر میری کافی میں نہیں تھا، شکار باز۔ زہر تمہاری کافی میں تھا جو ابھی تم نے میرے ساتھ پی تھی۔“

وہ تلخی سے مسکرا کے کہہ ہی تھی۔

ذوالکفلی سکتے میں تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ وان فاتح نے البتہ کراہ کے آنکھیں بند کیں۔ ایڈم تالیہ

کو جانتا تھا۔ صرف ایڈم اسے سمجھنے سے جانتا تھا۔ وہ جانتا تھا تالیہ مراد کبھی اپنی جان نہیں لے سکتی۔

”جانتے ہو سب سے مشکل کام کیا ہوتا ہے؟ کسی کون من کو کون کرنا۔“ وہ سینے پہ بازو لیٹے کہتے ہوئے دھیرے

دھیرے چلنے لگی تھی۔ ”تم نے میرے باپ کو اپنے جیسا جا دو گر بتایا تھا۔ تم نے ہم سب کی زندگیاں برباد کی تھیں۔ تمہاری وجہ

سے ہم وقت کے چکر میں پھنسے تھے۔ مجھے تم پہ رحم نہیں آتا، ذوالکفلی۔ میں تمہارے پاس پناہ کے لیے نہیں آئی تھی۔ میں تمہیں

کون کرنے آئی تھی۔“ وہ دھیرے دھیرے اس کے گرد دائرے میں ٹہل رہی تھی۔

”تمہارے پاس کچھ ہے جو مجھے چاہیے تھا۔ مگر میں وہ تم سے کیسے لوں؟ اس کے لیے مجھے تمہیں یہ یقین دلانا تھا کہ میں

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

خودکشی کرنے جا رہی ہوں۔ تمہارے پاس مجھے اپنے ہاں ٹھہرانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اور میں یہ بھی جانتی تھی کہ تمہارے پاس ایک کتب خانہ ہے۔ باپا نے مجھے بتایا تھا کہ ہر شکار باز کے پاس ہوتا ہے۔ تم نے مجھے بالکل وہیں ٹھہرایا جہاں میں ٹھہرنا چاہتی تھی۔ اور ایڈم نے میری مدد کی ایسا زہر تیار کرنے میں جس کو کھانے کے بعد تمہیں تب علم ہوگا جب دیر ہو چکی ہوگی۔“

اور اس وحشت ناک لمحے میں ذوالکفلی نے اپنے ہاتھوں کی پشت کو دیکھا۔ اس کے ناخن ہلکے ہلکے نیلے پڑنے لگے۔ اس نے بے یقینی سے تالیہ کو دیکھا۔

”کون سا... نہ ہر تھا وہ؟“ وہ ہلکا سا غرایا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہوئیں۔

”اس کا تریاق تمہارے پاس نہیں ہے۔ میرے پاس ہے اور میں نے تمہارے گھر میں کہیں چھپایا ہے۔“ وہ اس کے مقابل کھڑی کہہ رہی تھی۔

”تالیہ... تم کیا کر رہی ہو؟“ قاتح نے پریشانی سے اسے ٹوکا مگر یوں لگنے کی باری شہزادی کی تھی۔

”میں کوئی چیری بلا سم نہیں ہوں جو ذرا سی ہوا سے گر جائے گا۔ میں ملا کہ کی شہزادی تاشہ بنت مراد ہوں اور میں اپنی اس زہر کی کو ختم کر کے واپس اپنی اصل زندگی میں جا رہی ہوں۔“

پھر اس نے نظروں کا رخ ذوالکفلی کی طرف موڑا اور ہتھیلی پھیلائی۔

”تم مجھے وقت کی چابی دے دو تو میں تریاق تمہیں دے دوں گی۔“

”تم میرے ساتھ یہ کرو گی.... میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔“ ذوالکفلی نے کراہ کے آنکھیں بند کیں پھر جب ان کو کھولا تو ان میں بے بسی بھرا غصہ تھا۔

”تم جھوٹ بول رہی ہو۔ تم نے مجھ سے ہر نہیں دیا۔“ مگر اس کا لہجہ شکستہ تھا۔ تالیہ نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔

”اور اگر میں سچ بول رہی ہوں تب؟ تمہارے پاس چالس لینے کا وقت ہے کیا؟“

اس کی ہتھیلی اب تک پھیلی تھی۔ اور آنکھیں ذوالکفلی پہ جمی تھیں جس کی رنگت سفید پڑتی جا رہی تھی۔ ہونٹ جامنی ہو رہے تھے۔

”تالیہ.... یہ مت کرو۔“ قاتح آہستہ سے بولا۔ وہ افسوس سے اسے دیکھ رہا تھا مگر آج تالیہ کو کسی کی نہیں سنی تھی۔

”چابی! وہ چابی جو تم نے میری ہمیر پن سے بنائی تھی۔ اور اس دفعہ بوتل کا پانی تم خود پیو گے۔ کیونکہ ہم میں سے کوئی

یا داشت نہیں کھونا چاہتا۔“ اس نے زور دے کر دہرایا تو ذوالکفلی اسے قدموں مڑا اور سینے کی طرف لپکا۔

Downloaded from Paksociety.com

”میں نے وہ سب... وہ سب تمہیں واپس لانے کے لئے کیا تھا اور تم....“ وہ صدمے اور پریشانی سے کہتا قریب آیا۔ ”تم

اس قید میں پھر واپس جانا چاہتی ہو؟“

تالیہ نے اجنبی نظروں سے اسے دیکھا۔ ”آپ کی دنیا نے میرے اوپر زندگی تک کر دی ہے۔ آپ کو آپ کی دنیا مبارک

ہو۔ مجھے میرے باپا کے پاس واپس جانا ہے۔“

مگر فاتح نے سختی سے نفی میں سر ہلایا۔ ”تم.... واپس.... نہیں جاسکتیں۔ تم ہماری ریاضت کو ضائع نہیں کر سکتیں۔“

”آپ نے مجھے بھول جانے کا انتخاب کیا تھا۔ میں آپ کو بھول جانے کا انتخاب کر رہی ہوں۔“

”تم یہ کیوں کر رہی ہو؟“ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

”کیونکہ جب میں کچھ دن پہلے داتن سے ملی اور اس سے پوچھا کہ اس کے پاس کینسر کی دوا کی بوتل کیوں تھی؟ تو جاننے

ہیں اس نے مجھے کیا کہا؟“

وہ تکلیف سے کہہ رہی تھی۔

اس کے ارد گرد کا منظر بد لئے لگا۔

وہ جھونپڑے میں داتن کے سامنے بیٹھی تھی۔ دیوار پہ چیری بلاسم کے گرتے پھولوں کا عکس ہنوز چل رہا تھا۔

”کیا تم سچ جانتا چاہتی ہو؟“ تاؤ سوٹی رول کو ٹھک ٹھک کاٹ رہا تھا اور داتن کہہ ہی تھی۔

”میں سچ جانتی ہوں۔ تمہیں کینسر ہے اور تم نے اسے مجھ سے چھپایا ہے۔ اس تصویر میں تمہاری دوا کی بوتل....“

”یہ بوتل میری نہیں ہے تالیہ۔“ داتن دکھ سے بولی اور وہ ٹھہر گئی۔

”اس تصویر میں ایک تیسرا شخص بھی ہے جسے ہمیشہ نظر انداز کر جاتی ہو۔ یہ دوا ایڈم کی ہے۔ ایڈم بیمار ہے۔ میں نہیں۔“

دیوار پہ گرتے پھول جیسے فضا میں ٹھہر گئے تھے۔

”ہم دونوں اس وقت تمہیں اس لیے نہیں تلاش کر سکے تھے کیونکہ میں ایڈم کی بیماری کے علاج میں الجھی تھی۔ اس نے

صرف مجھے بتایا تھا۔ تمہیں وہ پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔“

”ایڈم کو..... ایڈم کو کیا ہوا ہے؟“

”وہ جب سے وقت میں سفر کر کے واپس آیا ہے اس کی طبیعت دھیرے دھیرے خراب ہونے لگی تھی۔ مگر وہ اسے نظر

انداز کر کے کام میں جتا رہا۔ میں زبردستی اسے چیک اپ کے لیے لے گئی تو اس کا کینسر ڈائیکوز ہوا۔ لیکن یہ کینسر نہیں تھا۔ یہ

کوئی ایسی بیماری تھی جو بظاہر کینسر کی طرح لگتی تھی اور اسے اندر سے کھا رہی تھی مگر ڈاکٹر اسے سمجھنے سے قاصر تھے۔ پھر ایڈم

Downloaded from Pakvociety.com

اپنی کتابوں کی طرف پلٹا اور اس نے مختلف جڑی بوٹیوں کے ساتھ کینسر کی کچھ دوائیں ملا کے اپنا علاج کرنے کی کوشش کی۔ وہ ماہ وہ اپنی بنائی دوا کھاتا رہا مگر اسے فرق نہ آیا۔ پھر وہ اپنی کتاب میں لگ گیا اور اس نے خود کو موت کے خوف سے بے نیاز کر لیا لیکن..... لیکن میں اس بیماری کو جاننے کے لیے پھر وہی کتابوں کو کنگھا لے لگی۔“

”وقت کا چکر..... یہ اس وقت کی وجہ سے ہوا ہے۔“ تالیہ نے کراہ کے آنکھیں بند کیں۔

”ہاں اور مجھے یہی سمجھ آیا کہ وقت کا سفر انسانی جسم کو شدید تکلیف سے گزارتا ہے اور اس تکلیف کو زائل کرنے کے لیے بوتل کا وہ پانی پینا پڑتا ہے جس کو پی کر ہی چابی ملتی ہے۔ وہ پانی دراصل اس مرض سے مدافعت کی دوا تھی۔ یا داشت کا کھودینا اس دوا کا ایک سائڈ ایفیکٹ تھا۔ تم نے وہ دوا پی تھی۔ فاتح نے پی تھی۔ ایڈم نے نہیں پی تھی۔ اس لیے اس کا جسم اس چکر سے نکلے کے بعد اس کے اثرات کو برداشت نہیں کر پایا۔“

”اس کا حل.... اس کا حل کیا ہے؟“

”اس کا حل صرف شکار ہاز کے پاس ہو سکتا ہے۔ میرے پاس ایسی کتابیں نہیں ہیں جو ذوالکفلی کے پاس ہوں گی۔ اگر تم اس سے پوچھو تو....“

”ذوالکفلی نے کبھی بدلے میں کچھ مانگے بنا کوئی کام نہیں کیا۔ وہ مجھے نہیں بتائے گا۔ مجھے اس کے کتب خانے تک رسائی چاہیے۔ چیئنج آف پلان۔ مجھے ملا کہ جانا ہے۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

”میں اسی لیے ملا کہ آئی تھی۔ ایڈم کے لیے۔ مگر.....“ نیم اندھیر کتب خانے میں کھڑی تالیہ نے ارد گرد کتابوں کو دیکھا اور زخمی سا مسکرائی۔ ”مگر ان کتابوں سے معلوم ہوا کہ اس بیماری کا تریاق ذوالکفلی کے پاس نہیں ہے۔ اس بیماری سے وقت کے ایک صرف ایک مسافر کو آج تک شفا ملی ہے اور جانتے ہیں اس کا تریاق کس شکار ہاز نے بنایا تھا؟“

”مراد راجہ نے۔“ وہ سنجیدگی سے بولا۔ اسے تالیہ کا پلان سمجھ آنے لگا تھا۔

”تم وقت میں واپس جانا چاہتی ہو..... اپنے باپ سے ایڈم کی دوا لینے۔“

”ہاں..... باپا کو نہیں معلوم تھا کہ ایڈم بھی ہمارے ساتھ آیا تھا۔ مجھے ان کی وہ افسوسناک نظریں یاد ہیں جن سے انہوں نے ایڈم کو ہمارے ساتھ واپس جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اسی لیے ان کو معلوم تھا کہ میں واپس آؤں گی۔“ وہ رکی اور ہنسی کی۔ ”ہم..... ہم واپس جائیں گے۔“

وہ کونے میں لگے ایک بکریک تک گئی تھی اور پھر اسے دھکیلنے لگی۔

جیسے جیسے ریک ہٹا گیا..... ایک دروازہ سامنے آ گیا۔ بھوری لکڑی کا دروازہ جس کے اوپر لگا تالہ ٹوٹا ہوا تھا۔

Downloaded from Pakvociety.com

تالیہ نے دروازہ دھکیل دیا۔ وہ کھلتا چلا گیا۔ اندر ایک طویل راہداری بنی تھی جس کے اندر مشعلیں روشن تھیں۔ زرد سا اندھیرا بھی تھا۔ اور سامنے کوئی کھڑا تھا۔ بے چینی سے بار بار گھڑی دیکھتا۔

اسے دیکھ کے فاتح نے گہری سانس خارج کی۔ ”تم دونوں اس کام میں شریک تھے۔“
ایڈم بن محمد نے ہلکے سے کندھے اچکا دیے۔ وہ کرتے اور پا جاے میں ملبوس تھا اور سر پہ ٹوپی تھی۔ اس کے کندھے پہ ایک سفری بیگ بھی تھا۔

وہ وہاں کھڑا ساری بات سن چکا تھا۔ جانے وہ کب سے وہاں موجود تھا۔
”میں اکیلی جانا چاہتی تھی۔ مگر ایڈم جب صبح مجھے جڑی بوٹیاں دینے آیا تو.....“
”تو چند قدم دور جانے کے بعد مجھے خیال آیا کہ داتن واقعی کیٹو کر رہی تھی جس سے اس کے بال جھڑے تھے۔ اور بچے تالیہ میری دوا لینے کے لیے کچھ کرنے جا رہی ہیں۔ اسی لیے میں اٹنے قدموں واپس آیا اور انہوں نے مجھے سب بتا دیا۔ اب ہم دونوں واپس جا رہے ہیں۔ ان کا تھلا نہ حملوں نے مجھے یہ احساس دلایا ہے کہ میں مرنا نہیں چاہتا۔“
فاتح نے افسوس سے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ عرصے سے اسے اداس اور مضطرب نظر آتا تھا۔ مگر وہ اداس اور مضطرب نہیں تھا۔ وہ بیمار تھا۔

”سوری سر.... مگر ہم واپس جا رہے ہیں۔ کیونکہ ہم نے وقت کا دوسرا دروازہ بھی ڈھونڈ لیا ہے۔“
تالیہ اس کے برابر میں جا کے کھڑی ہو گئی۔ وان فاتح اکیلا رہ گیا۔
”تو یہ طے ہے کہ تم دونوں اپنے خفیہ منصوبوں میں مجھے کبھی شامل نہیں کر سکتے۔“ اسے افسوس ہوا تھا۔
”آپ ہمیں بھول چکے تھے سر۔ ہم نے آپ کو واپس لانے کی بہت کوشش کی مگر آپ ہمارے ساتھ نہیں تھے جب ہمیں آپ کی ضرورت تھی۔ اب ہم آزاد ہو چکے ہیں۔ ہم اپنے پروں پہ اڑنا سیکھ چکے ہیں۔“
ان دونوں کی آنکھوں میں ایک ہی طرح کے تاثرات تھے۔ بغاوت۔ ہٹ دھرمی۔ تنفر.....
”میں نے تم لوگوں کو واپس لانے کے لیے وہ سب کیا اور تم؟“
”ہم ہمیشہ کے لئے واپس نہیں جا رہے۔ میرا علاج ہو جائے تو ہم واپس آ جائیں گے۔“
”اور ہم بنگارا یا ملا یو کو مکمل کرنے جا رہے ہیں۔ ذوالکفلی نے غلط کہا تھا کہ وہ کتاب مراد راجہ نے مکمل کروائی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ اسے ایڈم ہی مکمل کرے گا۔“

”اور تم دونوں کو لگتا ہے کہ مراد راجہ تمہیں واپس آنے دے گا؟“ وہ تلخی سے بولا۔

Downloaded from Paksociety.com

”یہ ہمارا مسئلہ ہے۔“ وہ سپاٹ انداز میں بولی۔

زینے اترنے کی آواز آئی تو فاتح نے پلٹ کے دیکھا۔ ذوالکفلی سفید چہرے کے ساتھ تیزی سے چلا آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بوتل تھی جو خالی تھی۔ اس نے ابھی ابھی اس کا پانی پی لیا تھا اور چابی نکال لی تھی۔ کھلے دروازے کو دیکھ کے وہ چونکا۔ پھر گہری سانس لی۔

”میں نے تمہیں پتاہ دینے کی غلطی کی۔ تم نے مجھے ہی دھوکہ دے ڈالا۔“ وہ تلخی سے کہتے ہوئے قریب آیا۔

”مجھے یہ سب سکھانے والا استاد بہترین تھا۔“ شہزادی نے مسکرا کے کندھا چکائے اور پھیلی پھیلا دی۔

”پہلے تریاق!“

”پہلے چابی۔“ وہ غرائی۔

ذوالکفلی چند لمحے بے بسی سے اسے دیکھتا رہا۔ چابی ہاتھ میں دیوچی ہوئی تھی۔ پھر اس نے فاتح کو دیکھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”چابی مت دینا“ ذوالکفلی۔ مجھے یقین ہے اس نے تمہیں نہ ہر نہیں دیا۔ یہ دونوں تمہارے ساتھ کھیل کھیل رہے ہیں۔“

وہ تنہیہ رہا تھا۔

ذوالکفلی نے لب کاٹتے ہوئے واپس ان دونوں کو دیکھا۔ جو برابر کھڑے اس پہ چبھتی نظریں جمائے ہوئے تھے۔ جیسے اسے چیلنج کر رہے ہوں۔

پھر اس نے اپنے ناخن دیکھ کر مزید نیلے پڑتے جا رہے تھے۔

وہ آگے بڑھا اور چابی تالیہ کے ہاتھ پہ رکھی۔ ”تم وقت کے ساتھ خطرناک کھیل کھیل رہی ہو پتہ تالیہ.... تمہیں اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔“

”دیکھیں گے۔“ وہ جتا کے بولی اور راہداری میں آگے بڑھ گئی۔ سامنے دوسرے سرے پہ ایک قدیم دروازہ نظر آ رہا تھا۔

”میرا تریاق!“ وہ چیخا تھا۔ شہزادی نے جواب نہیں دیا۔ البتہ ایڈم نے مڑتے مڑتے کہا تھا۔

”بے فکر رہو۔ جو بے ذائقہ سفوف ہم نے بنایا تھا وہ زہر نہیں تھا۔ تمہیں کسی تریاق کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تمہاری یہ

علامات قے اور پانی پینے سے صبح تک ٹھیک ہو جائیں گی۔“

ذوالکفلی نے زور سے دھمکے مارے۔ پھر فاتح کو دیکھا جو اسے اسوس سے دیکھ رہا تھا۔

”تم اب ان سے چابی نہیں لے سکتے؟“

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”جبراً چوری کر کے اس چابی کو واپس نہیں لیا جاسکتا۔ تم اس قدم کی قیمت چکاؤ گی تالیہ۔“ آخری فقرہ اس نے چلا کے ادا کیا تھا۔

وہ دونوں اب راہداری میں دور ہوتے جا رہے تھے۔ ذوالکفلی کو گردن پہ دھاؤ محسوس ہو رہا تھا۔ شاید اسے قے آنے والی تھی۔ وہ اگلے قدموں ذینے کی طرف لپکا۔

”تھینک یو ایڈم۔“ وہ دوسرے سرے تک آئی اور اس دروازے تک رکی۔

وقت کا دروازہ اس کے سامنے تھا۔ بس تالے میں چابی گھمانے کی دیر تھی۔

پھر کسی احساس کے تحت مڑی تو لمحے بھر کو ساکت رہ گئی۔

فاتح اس کی طرف چلا آ رہا تھا۔ ”تالیہ.... مت جاؤ!“ وہ دکھ سے کہہ رہا تھا۔ ”تمہاری دنیا یہ ہے۔ وہ نہیں۔ مراد راجہ تمہیں کبھی واپس نہیں آنے دے گا۔“

تالیہ نے اجنبی نظروں سے اسے دیکھا۔ ”میں فین گرل بن کے آپ کے پیچھے بھاگتے بھاگتے تھک گئی ہوں۔ اب مجھے کسی کے پیچھے نہیں بھاگنا۔“

”میں تمہیں بہت مشکل سے واپس لایا تھا تالیہ۔ میں تمہیں دوبارہ نہیں کھوسکتا۔“ وہ زخمی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

”آپ نے مجھے کبھی نہیں چنا فاتح۔ آپ نے ہمیشہ خود کو چنا ہے۔ آپ کے سارے فیصلے خود غرض تھے۔“ وہ کہہ کے مڑی اور تالے کو چھوٹا چاہا۔ مگر اسی لمحے.....

وہ تیزی سے آگے آیا.... اور دونوں کے درمیان سے گزر کے اس نے تالے کو پکڑا۔

ایڈم اور تالیہ بے اختیار پیچھے ہٹے۔

فاتح نے پتھلی بڑھائی تو لمحے بھر کو اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ پھر اس نے خود کو چابی فاتح کی پتھلی پہ رکھتے دیکھا۔

”تم مجھ پہ give up کر سکتی ہو۔ میں تم پہ give up نہیں کر سکتا۔ سوری تالیہ.... مگر میں تمہیں اس سونے کے جہنم میں اکیلے نہیں جانے دے سکتا۔“

وہ شدید تکلیف سے یہ الفاظ کہتا چابی تالے میں گھما رہا تھا۔ ایڈم کے لب بے یقینی سے کھل گئے اور تالیہ پلک تک نہ جھپک سکی۔

”آپ کیا کر رہے ہیں۔“ تالہ کھول کے اس نے دروازہ دھکیلا تو سامنے راہداری میں پانی پڑا تھا۔ وہاں ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ وہ دریا ان کے سامنے تھے۔

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

وہ اس کی طرف کھوٹا اور سنجیدگی سے دیکھا۔

”میں تمہارا چناؤ کر رہا ہوں۔“

اور پھر وہ خود سب سے پہلے آگے بڑھا۔

جیسے وہ ہمیشہ بڑھتا تھا۔ سب سے آگے۔ راستہ دکھاتے ہوئے۔

اور وہ دونوں کسی معمول کی طرح اس کے پیچھے آتے تھے....

”آپ.... نہیں جاسکتے.... آپ کے پاس پیچھے.... ایک.... ایک زندگی ہے۔ شاعر مستقبل ہے۔ آپ وہ سب نہیں چھوڑ

سکتے۔“ وہ حواس باختہ سی اس کے پیچھے آئی۔

”آپ.... پلیز.... واپس جائیں۔“ ایڈم بھی پریشانی سے اسے پکار رہا تھا۔

مگر وہ تینوں پلیز پار کر چکے تھے۔ جب تک ایڈم نے مڑ کے دیکھا، وقت کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔

وہ ماضی اور مستقبل کے دریا کے دہانے پہ کھڑے تھے۔

”آپ نے یہ کیوں کیا؟“ وہ بے یقینی سے اسے آگے چلا دیکھ رہی تھی۔

”میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں وقت کی قید سے نکال کے لاؤں گا۔ اور وعدے کبھی پرانے نہیں ہوتے۔“

وہ آگے چلتا جا رہا تھا۔ ان دونوں کو بھی اب آگے ہی جانا تھا۔ پیچھے کے سارے راستے بند ہو چکے تھے۔

فاتح نے درمیان میں رک کے ایک مشعل دیوار سے نکالی اور اسے فضا میں بلند کیے آگے راستہ دیکھتا چلتا گیا۔ پانی کی

بوندیں مسلسل ان پہ گر رہی تھیں۔ وہ بھگتے جا رہے تھے....

آخری سرے پہ ایک بڑا سا لکڑی کا دروازہ تھا۔ اس پہ بھی اسی طرح زنجیریں اور تالا بندھا تھا۔ وان فاتح اس کے قریب

پہنچا تو وہ جیسے کسی خواب سے جاگی اور ایک دم آگے آئی ایسے کہ دروازے اور فاتح کے درمیان حائل ہو گئی۔ وہ ٹھہر گیا۔

”آپ واپس چلے جائیں۔“ وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھ کے بولی۔ ”آپ کے پاس آپ کی دنیا میں کھونے کو بہت

کچھ تھا فاتح۔“

وہ اسے دیکھ کے مسکرایا۔ اس کے گیلے بال ماتھے پہ آگے کو گر رہے تھے۔

”میرے پاس وہاں کھونے کے لئے کچھ بھی نہیں رہا تھا۔“

”غلط۔ آپ وزیر اعظم بنے جا رہے تھے۔“ وہ بے چینی اور تکلیف سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”جانتی ہو میں نے وقت کے تینوں سوال کیسے حل کیے؟ جب ملا کہ آنے سے پہلے میں ایک تحریر اپنی اسٹڈی میں لکھ کے

Downloaded from Paksociety.com

رکھ آیا تھا۔“

”کیسی تحریر؟“

”میں نے جان لیا تھا کہ اس کو لکھنے کا بہترین وقت ابھی ہے۔ اور میری زندگی کا اہم ترین شخص تم ہو۔ اور تمہیں بچانا میرے لئے سب سے اہم کام ہے۔ اسی لیے وقت سے مجھے میری یادیں واپس کر دی تھیں۔“

”کیسی تحریر؟ کیا لکھا آپ نے؟“

”میں نے بی این کی حیثیت میں شپ سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ میں اب ملک کا وزیر اعظم نہیں بننے جا رہا۔“

تالیہ کے اوپر جیسے ایک دم کسی نے گٹروں پانی الٹ دیا تھا۔ وہ گنگرہ گئی۔ ایڈم بھی سکتے میں آ گیا۔

”مگر کیوں؟ اس آف شور کمپنی کی وجہ سے؟ وہ عصرہ نے بنائی تھی۔“

”سر... آپ نے مسز عصرہ کا نام کیوں نہیں لیا؟ آپ نے... آپ نے ان کاغذات کا الزام اپنے سر کیوں لیا جو بلیٹنگ تھے اور دھوکے دہی سے سائن کروائے گئے تھے؟“

ایڈم افسوس سے کہہ رہا تھا اور وہ مارے صدمے کے مزید کچھ بول نہیں پا رہی تھی۔

وان فاتح زخمی سا مسکرایا۔ پھر سراٹھا کے دیکھا۔ اوپر اندھیرا تھا۔ اور ہارٹس ہو رہی تھی۔ مگر۔۔۔ یکا یک... پانی کی گرتی بوندیں.... چیری بلاسم کے پھولوں میں تبدیل ہوتی گئیں۔

وہ سڑک کنارے بیٹھا تھا۔ سڑک اور گھاس پہ گلابی پھولوں کی تہہ چھٹی تھی۔ سامنے چٹا پچھلا گلابی کاٹن کینڈی کی اسٹک ہاتھ میں گھمار رہا تھا۔ اس کے پیروں سے سکے چھٹکنے کی آواز آرہی تھی.....

عصرہ ساتھ آ کے بیٹھی تھی۔ اس کی کافی ذرا سی چھلکی تھی۔

”تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے کیا؟“

فاتح نے قائل کھولی تو ایک دم ڈھیر سارے پھول اوپر سے آن گرے۔ سفید کاغذ گلابی پھولوں سے بھر گیا۔

اس نے ہاتھ سے پھول ایک طرف گرائے تھے تو نیچے سے کاغذ نظر آنے لگا۔

وہ بلیٹنگ نہیں تھا۔

اس پہ سیاہ چھپی ہوئی تحریر واضح تھی۔

”یہ کیا ہے؟“ اس نے اچھنبے سے پوچھا۔

عصرہ نے گہری سانس لی۔ ”کاش تم بغیر بحث کے اسے سائن کریتے... لیکن... میں یہ ہماری فیملی کے لیے کر رہی

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

ہوں۔ ہم اس رپورٹر کو ڈائریکٹ پے نہیں کر سکتے‘ فاتح۔ انکوائری شروع ہوئی تو اسکیڈل بن جائے گا۔ میں ایک آف شور کمپنی بنا رہی ہوں۔ اس کے اکاؤنٹ سے ہم اسے آف شور پے کر دیں گے تاکہ وہ اپنا منہ بند کرے اور ہماری بیٹی کو ناجائز اولاد نہ کہا جاسکے۔“

وہ کاغذ اٹھا کے دیکھ رہا تھا۔ ماتھے پہ ہل تھے۔ ”کوئی اور طریقہ نہیں ہے؟“

”ہم رسک نہیں لے سکتے۔ اور یہ صرف تھوڑے سے وقت کے لئے ہوگا۔ رپورٹر کا منہ بند ہو جائے گا تو ہم اس کو بند کر دیں گے۔ آف شور کمپنی بنانا غیر قانونی نہیں ہے۔ اسے چھپانا غیر قانونی ہے۔ جب الیکشن قریب آئیں گے اور اٹاٹے ظاہر کرنے ہوں گے تو ہم اس کو بند کر چکے ہوں گے۔ میرے پاسپورٹ کا آج کل مسئلہ بنا ہوا ہے ورنہ میں خود کھول لیتی۔ پلیز فاتح.... سائن کرو۔“

چیری بلاسم ہارٹس کی بومبوں میں بدل گئے۔ وہ تینوں نیم اندھیرے میں اس قدیم دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔ ”میں نے بلیٹک ڈاکومنٹ پہ دستخط نہیں کیے تھے۔ کمپنی ہم دونوں نے بنائی تھی۔ صرف آریاناہ کو اسکیڈل بننے سے بچانے کے لئے۔ ہم سمجھے تھے کہ رپورٹر کو ایک ہی دفعہ پے کرنا ہوگا مگر وہ بار بار بلیک میل کرنے لگا تو میں نے صبر سے کہا کہ کمپنی بند کر دو کیونکہ اٹاٹوں کی ڈیکلریشن کا وقت آ گیا تھا۔ میں رپورٹر کو اپنے ایک دوسرے اکاؤنٹ سے پیسے بھیجے لگا۔ میں سمجھا تھا صبر نے کمپنی بند کر دی ہوگی مگر اس نے نہیں کی۔ وہ اسے استعمال کرتی رہی۔ میں اس کو بھول بھی چکا تھا۔ اس لئے میں اس کو پہلی نظر میں نہیں پہچان سکا مگر پھر مجھے یاد آ گیا تھا۔ کمپنی رکھنا جرم نہیں ہے۔ اس کو چھپانا جرم ہے اور میں اس جرم کا مرتکب ہو چکا تھا۔ مجھے استغفیٰ دینا تھا۔ کیونکہ میں اپنے لوگوں کو بیچ بولنے کی تلقین کر کے خود جھوٹ نہیں بول سکتا۔“

”آپ..... آپ لوگوں کو وضاحت دے دیتے.... آپ بتا دیتے کہ آپ بلیک میل ہو رہے تھے اور.....“

”میں نے کمپنی چھپائی‘ یہ جرم ہے۔ کیوں چھپائی‘ یہ غیر اہم ہے۔ اور یہ میری بیٹی کی یاد لوگوں کے ذہنوں میں داخلہ کر دے گا۔ میں صبر اور آریاناہ کسی کو بھی ڈھال کے طور پہ استعمال نہیں کر سکتا۔ میں اپنا وعدہ پورا نہیں کر سکا جو میں نے صوفیہ سے ڈی بیٹ کے وقت کیا تھا۔ میں نے بھی لاعلمی میں.... اس بات کو ہلکا سمجھ کے.... ایک جرم کر دیا تھا۔ میرے ضمیر پہ اس کا بوجھ اب بہت زیادہ تھا۔ میں انتظار کرتا رہا کہ میرے خواب اور ضمیر کی جنگ میں کون جیتتا ہے۔ اور ضمیر جیت گیا۔ اگر میں خود بیچ نہیں بول سکتا تو میں دوسروں کو سچائی کی تلقین کیسے کر سکتا ہوں۔“ وہ زخمی مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

”میں چاہتا تو جھوٹ بول دیتا کیونکہ میری سیکرٹری ہو یا وکیل‘ سب خود سے فرض کر چکے تھے کہ مجھ سے بلیٹک ڈاکومنٹ پہ سائن کروائے گئے ہوں گے۔ مگر وہ کاغذ بلیٹک نہیں تھے۔ میں واقعی چاہتا تھا کہ میرے ملک میں بہتری آئے۔ لیکن کبھی

Downloaded from Paksociety.com

کبھی انسان کو خود کو اس بہتری کی مثال بنانا ہوتا ہے۔ میں سچ بول کے..... اپنے کیرئیر اور خواب کی قربانی دے کر... اپنے لوگوں کو یہ بنانا چاہتا ہوں کہ سچ دنیا کی ہر شے سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ میں اپنی سچائی نہیں کھوسکتا تھا۔“

وہ صدمے سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اور وہ... وہ کندھے اچکا کے تکلیف سے کہہ رہا تھا مگر اس کے انداز میں اطمینان بھی تھا۔ پھر وہ آگے بڑھا اور دروازہ کھولنے لگا۔

”مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔ دکھ ہے مگر افسوس نہیں۔ میں نے اپنے آپ کو بچا لیا ہے اور اب...“ اس نے زنجیر علیحدہ کی اور تالیہ کو دیکھا۔ ”اب میں تمہیں بچاؤں گا۔“ پھر دروازہ کھول دیا۔

باہر سے ڈھیر ساری روشنی اندر آئی تھی۔ چند لمحوں کے لئے تالیہ کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

پھر اس نے چوکھٹ سے باہر قدم رکھا۔ سامنے دینے بنے تھے۔ وہ زینے قدم قدم چڑھنے لگی۔ اوپر سے روشنی آرہی تھی۔ وہ تینوں باہر نکلے تو خود کو سن ہارواٹنگ لی کے گھر کے صحن میں پایا۔

فضا زرد تھی۔ آسمان صاف تھا۔ سارے میں بارش کے بعد کی مٹی کی سوندھی سی مہک بسی تھی۔ کونے میں تازہ پانی کا کنواں تھا۔ دوسری طرف وائٹنگ لی کا مجسمہ تھا۔ سرسبز پودے اس صحن میں ابلہا رہے تھے۔

قدیم زمانے کی خوشبو اس کے اندر تک اترتی چلی گئی۔

تالیہ نے آنکھیں بند کیں اور سانس اندر کو کھینچی۔

وہ اپنی دنیا میں واپس آ چکی تھی۔

”ہم جنگل میں کیوں نہیں ہیں۔“ ایڈم نے تعجب سے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ کندھے پر رکھے بیک میں جنگل کے مقابلے کے لیے بہت سا سامان لایا تھا۔

”کیونکہ وقت کے دروازے مختلف جگہوں پہ کھلتے ہیں شاید۔ ہم پچھلی دفعہ وائٹنگ لی کے گھر سے دروازے میں داخل ہوئے تھے اور جنگل میں باہر نکلے تھے۔ اس دفعہ وائٹنگ لی کے گھر میں داخل ہوئے اور وائٹنگ لی کے گھر سے نکلے ہیں۔“

وہ کہہ کے آگے بڑھی تو فاتح نے پکارا۔ ”تم اب کیا کرو گی؟“

تالیہ اس کی طرف پلٹی۔ دھوپ اس کے عقب سے آرہی تھی اس لئے فاتح کو اسے دیکھنے کے لئے ماتھے پہ ہاتھ کا چھبنا پڑا۔

”میں..... ملا کہ یہ حکومت کروں گی۔“ اس نے اپنے سفید لباس میں کچھ چھپا کے رکھا ہوا نکالا اور سر پہ پہنا۔ فاتح نے آنکھیں چندھیا کے دیکھا۔ وہ ہیروں سے مزین نازک ساتاج تھا۔

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

پھر وہ مڑی اور آگے بڑھ کے گھر کا بیرونی دروازہ کھولا۔

باہر چند سپاہی کھڑے تھے۔ اسے دیکھ کے وہ سیدھے ہوئے۔

”تم کب سے یہاں کھڑے ہو؟“ شہزادی نے ماتھے پہ ہل ڈال کے پوچھا۔

”چار دن سے“ شہزادی۔ جب سے آپ گئی تھیں، مراد راجہ نے حکم دیا تھا کہ ہم یہیں آپ کا انتظار کریں۔ انہوں نے کہا تھا کہ آج آپ واپس آ جائیں گی۔“

سپاہی نے ادب سے اطلاع دی۔ تالیہ نے مڑ کے اسے دیکھا جو برآمدے میں کھڑا سینے پہ ہازو لیٹے تھدی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پیچھے ایڈم گھوم پھر کے گھر کا جائزہ لے رہا تھا۔

شہزادی مسکرائی۔ ”مجھاب جانا چاہیے غلام فاتح۔ مجھے اپنی شادی کی تیاری کرنی ہے۔“

وان فاتح کے ماتھے پہ ہل پڑے۔

”تم سلطان سے شادی نہیں کر سکتیں۔“

شہزادی نے ابرو اٹھایا۔

”واچ می۔“ اور پھر وہ مڑ گئی۔

قطار صورت کھڑے سپاہی اطراف میں ہتے گئے۔ تالیہ مرادان کے درمیان سے گزرتی پتھر سے سراٹھائے قدم اٹھاری تھی۔

سورج تیز تھا اور دن کی روشنی میں وہ ہنا کسی خوف کے اپنی شاہی سواری کی طرف بڑھ رہی تھی۔

اسے یہاں کوئی گرفتار نہیں کر سکتا تھا۔ اسے یہاں کی عوام چور یا قاتل کے طور پہ نہیں جانتی تھی۔

وہ آزاد تھی۔

ایک اعلیٰ عہدہ دار روڑی میں ملبوس کبھی کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ اس تکبر کی اور حکم سے بولی۔

”میرے محل پہنچنے سے پہلے باپا کو اطلاع مل جانی چاہیے کہ میں آگئی ہوں۔ اس کے علاوہ....“ وہ رکی۔ ”ابوالخیر سے کہو وہ

رات کا کھانا میرے اور باپا کے ساتھ کھائے گا۔ مجھے اس سے بات کرنی ہے۔“ سپاٹ چہرے کے ساتھ حکم جاری کیا اور کبھی

میں سوار ہو گئی۔ سپاہی نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے دروازہ بند کر دیا۔ گھوڑے کبھی کو کھینچتے آگے قدم بڑھانے لگے۔

”مجھے بھی ان کے ساتھ جانا چاہیے۔“ شاہی مورخ نے ایک معذرتی نظر اس پہ ڈالی اور ان کے پیچھے لپکا۔

چو کھٹ پہ کھڑے وان فاتح نے خاموشی سے ان دونوں کو جاتے دیکھا تھا۔

Downloaded from Paksociety.com

”اب آپ کیا کریں گے ڈیڈ؟“ عقب میں کھڑی آریانہ بولی تو اس نے گردن موڑی۔ وہ آنکھوں میں ڈھیروں سادگی لئے اسے دیکھ رہی تھی۔

”میں اسے واپس لے جانے کے لئے آیا ہوں۔ میرے بغیر وہ دونوں کبھی واپس نہیں جاسکیں گے۔“ وہ سنجیدگی سے زیر لب بولا تھا۔ کھلے دروازے سے باہر کچے راستے پہ شاہی سواری ڈھول اڑاتے ہوئے دور جاتی دکھائی دے رہی تھی۔

مراد اجہ اپنے دیوان خانے میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا جب چوکھٹ پہ آہٹ ہوئی تو وہ رکا اور اس طرف کھوما۔ سامنے وہ کھڑی تھی۔ سیاہ بالوں والی..... سادہ سفید لباس پہ تاج پہنے..... وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے دیکھ کے مراد نے گہری سانس خارج کی.....

”مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گی۔“

”ہاں۔“ وہ تیزی سے آگے بڑھی اور اس کے گلے لگ گئی۔ مراد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ جانتا تھا کہ اسے اس کی یادداشتیں واپس مل گئی ہیں۔ اس کا باپ یاد آ گیا ہے۔

”کیا وہ دونوں بھی ساتھ آئے ہیں؟“ وہ اس سے الگ ہوئی تو مراد نے اسے شانوں سے تھام کے پوچھا۔ تالیہ نے آنکھیں دگرڑھتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی۔

”ہاں۔ مگر وہ واپس جانے کے لیے آئے ہیں۔“

”تو چلے جائیں..... مگر تم؟“ اسے دھڑکا لگا۔

تالیہ کی آنکھوں میں تکلیف ابھری۔ ”میں جان گئی ہوں کہ وہ میری دنیا نہیں تھی۔ اس دنیا نے اور اس کے بایسیوں نے آپ کی بیٹی کو بہت تکلیف دی ہے ہاں۔ میں نے ان دونوں سے بھی کہا ہے کہ میں واپس چلی جاؤں گی مگر.....“ وہ نم آنکھوں سے مسکرائی۔ اور حکمت سے گردن کڑائی۔

”میں واپس جانے کے لیے نہیں آئی۔ میں ملا کہ یہ حکومت کرنے آئی ہوں۔“

بندہ ہمارا مراد اجہ جانتا تھا کہ وہ سچ کہہ رہی تھی۔ اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اب وہ اپنی بیٹی کو کبھی واپس جانے نہیں دے گا۔

☆☆=====☆☆

(باقی اکیسہ سالہ ان شاء اللہ)

Downloaded from Pakvociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA